اعلیحضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ کی مکمل سوانح حیات

اعلیٰ حضرت اعلیٰ سیرت

تالیف

محمد رضا الحسن قادری

ناشر
اکبر بک سیلرز لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

حسبنا الله ونعم الوكيل نعم المولى ونعم النصير

اعلیحضرت امام احمد رضا خان بریلوی [illegible] کی مکمل سوانح حیات

اعلیٰ حضرت اعلیٰ سیرت

تالیف
محمد رضا الحسن قادری

ناشر
اکبر بک سیلرز
Ph: 7352022 [illegible]

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	اعلیٰ حضرت، اعلیٰ سیرت
تالیف	محمد رضاء الحسن قادری
زیرِ نگرانی	مولانا محمد منشا تابش قصوری
تصحیح و تصدیق	مفتی غلام حسن قادری
پروف ریڈنگ	مولانا الحاج اصغر علی نورانی
پیشکش	انوارِ باہو لائبریری، لاہور
کمپوزنگ	عبدالسلام/قمر الزمان ریگل پارک لاہور
سنِ اشاعت	ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ/ستمبر ۲۰۰۵ء
صفحات	۲۰۰
تعداد	۱۱۰۰
ناشر	محمد اکبر قادری عطاری
قیمت	150/-

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر
اردو بازار
لاہور

فہرست

	مضامین	صفحہ نمبر
✦	الانتساب	۹
✦	الاھداء	۱۰
✦	حمد باری تعالیٰ	۱۱
✦	نعتِ رسولِ مقبول	۱۲
✦	منقبت	۱۴
✦	تحفۂ سلام بحضور مجددِ اسلام	۱۶
✦	عرضِ ناشر	۱۸
✦	مُقدّمہ	۲۰
✦	اعلیٰ حضرت ایک نظر میں	۲۳

اعلیٰ حضرت، اعلیٰ سیرت

✦	ولادت باسعادت	۳۰
✦	اسم گرامی	۳۲
✦	شجرۂ نسب اور خاندانی حالات	۳۲
✦	جدامجد مولانا رضا علی خان بریلوی	۳۳
✦	والد ماجد مولانا نقی علی خان بریلوی	۳۴
✦	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی کا شجرۂ نسب موجودہ سجادہ نشین تک	۳۵
✦	تعلیم و تربیت	۳۶

✦	بچپن کے چند واقعات	۳۷
✦	حفظ قرآن مجید کا حیرت انگیز واقعہ	۳۹
✦	اساتذۂ کرام	۳۹
✦	جمیع علوم میں مہارت	۴۰
✦	درس و تدریس	۴۱
✦	تلامذہ	۴۲
✦	تصانیف	۴۳

اعلیٰ حضرت کے تین علمی شاہکار

1-	کنز الایمان	۴۵
2-	فتاویٰ رضویہ	۴۸
3-	حدائق بخشش	۵۱
✦	اعلیٰ حضرت بحیثیت عظیم المرتبت عالم	۵۲
✦	علوم قرآن و حدیث	۵۴
✦	اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام	۵۶
✦	فتویٰ نویسی	۵۸
✦	شاعری	۶۰
✦	فن توقیت میں کمال	۶۳
✦	فن تکسیر میں مہارت	۶۳
✦	علم ریاضی میں کمال	۶۴
✦	تاریخ گوئی میں ملکہ	۶۵
✦	شادی خانہ آبادی اور اولاد امجاد	۶۶

✦	بیعت وخلافت	۶۸
✦	سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ	۶۹
✦	خلفائے اعلیٰ حضرت	۷۲

مجددیت

✦	مجدد کی شناخت	۷۷
✦	مجدد کے خصوصی اوصاف	۷۷
✦	مجددین اسلام کی فہرست	۷۹
✦	چودھویں صدی کا جلیل القدر مجدد	۸۰
✦	ہندوستان میں انگریز کی آمد اور باطل فرقوں کا ظہور	۸۳
✦	فرق باطلہ اور علمائے حق	۸۴
✦	مجدد اعظم اور باطل فرقوں کا قلع قمع	۹۰
✦	اعلیٰ حضرت کی فرق باطلہ کے تعاقب میں شان احتیاط	۹۴

اعلیٰ حضرت اور ملی تحاریک

-1	تحریک خلافت اور ترک موالات	۹۹
-2	تحریک ہجرت	۱۰۵
-3	تحریک گاؤکشی	۱۱۱

اعلیٰ حضرت کے بقیہ حالات

✦	سعادت حرمین شریفین	۱۱۸
✦	عشق رسول ﷺ	۱۲۱
✦	تعظیم سادات	۱۲۴

✦	قوت ایمانی اور یقین کامل	۱۲۶
✦	تقویٰ و پرہیز گاری	۱۲۹
✦	نماز باجماعت کا اہتمام	۱۳۱
✦	کرامات	۱۳۲
✦	قوت حافظہ کا کمال	۱۴۰
✦	حاضر دماغی اور مسکت جوابی	۱۴۳
✦	چند علمی و ادبی لطیفے	۱۴۶
✦	تقریر و خطابت	۱۴۸
✦	چند مخصوص عادات مبارکہ	۱۴۹
✦	اعلیٰ حضرت کے چند القابات و خطابات (باعتبار حروف تہجی)	۱۵۳
✦	وصال باکمال مع وصایا شریف	۱۵۵
✦	جنازے کا روح پرور منظر	۱۵۹
✦	مزار پُر انوار	۱۶۰
✦	مقام رضا فی حضرت المصطفیٰ	۱۶۱
✦	ہدیۂ عقیدت در بارگاہ رضویت	۱۶۳
✦	نضرِ فردوس (قصیدہ)	۱۶۷
✦	اعلیٰ حضرت ہیں بریلی کے (منقبت)	۱۷۱

اعلیٰ حضرت اپنوں اور غیروں کی نظر میں

✦	اعلیٰ حضرت سنی علماء و مشائخ کی نظر میں	۱۷۲
✦	اعلیٰ حضرت مخالفین و معاندین کی نظر میں	۱۸۰
✦	حواشی	۱۹۲

الانتساب

شیخ الاسلام والمسلمین، قائد ملت اسلامیہ
منبع اسرار رحمانی، مطلعِ انوارِ صمدانی، کاشفِ رموز پنہانی
فانوسِ نورِ حقانی، نائبِ غوثِ جیلانی، وارثِ امامِ ربانی
حق وصداقت کی نشانی
حضرت علامہ الحافظ القاری سیدنا ومولانا امام الشاہ احمد نورانی
قادری صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

کے نام جن کی بے پایاں کاوشوں سے ہزاروں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

؎ اب ڈھونڈ انہیں چراغِ رُخِ زیبا لے کر

عبیدِ رضا
محمد رضاء الحسن قادری

الاهداء

امامِ اہل سنت

غوثِ جہاں، غزالی زماں، رازی دوراں

حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ

کی خدمت اقدس میں

جن کے فیضانِ نظر سے نہ جانے کتنے ذرّے

آسمانِ علم پر ستارے بن کر چمکے اور دنیائے عظیم پر چھا گئے۔

؎ سوئے دریا تحفہ آوردم صدف

گر قبول افتد زہے عز و شرف

خاکپائے اسلاف

محمد رضاء الحسن قادری

* * *

حمد باری تعالیٰ

ہے پاک رُتبہ فکر سے اس بے نیاز کا
کچھ دخل عقل کا ہے نہ کام امتیاز کا
شہ رگ سے کیوں وصال ہے آنکھوں سے کیوں حجاب
کیا کام اس جگہ خردِ ہرزہ تاز کا
لب بند اور دِل میں وہ جلوے بھرے ہوئے
اللہ رے جگر ترے آگاہِ راز کا
غش آ گیا کلیم سے مشتاقِ دید کو
جلوہ بھی بے نیاز ہے اس بے نیاز کا
ہر شے سے ہیں عیاں مرے صانع کی صنعتیں
عالم سب آئینوں میں ہے آئینہ ساز کا
افلاک وارض سب ترے فرماں پذیر ہیں
حاکم ہے تو جہان کے نشیب و فراز کا
اس بیکسی میں دِل کو مرے ٹیک لگ گئی
شہرہ سنا جو رحمتِ بیکس نواز کا
مانند شمع تیری طرف لو لگی رہے
دے لطف میری جان کو سوزو گداز کا
تو بے حساب بخش کہ ہیں بے شمار جرم
دیتا ہوں واسطہ تجھے شاہِ حجاز کا
بندے پہ تیرے نفس لعیں ہو گیا محیط
اللہ کر علاج مری حرص و آز کا
کیوں کر نہ میرے کام بنیں غیب سے حسنؔ
بندہ بھی ہوں تو کیسے بڑے کار ساز کا

(مولانا حسن رضا خان بریلوی برادر اوسط اعلیٰ حضرت)

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی ﷺ
سب سے بالا و والا ہمارا نبی ﷺ
اپنے مولیٰ کا پیارا ہمارا نبی ﷺ
دونوں عالم کا دولہا ہمارا نبی ﷺ
بزمِ آخر کا شمع فروزاں ہوا
نورِ اوّل کا جلوہ ہمارا نبی ﷺ
جس کو شایاں ہے عرشِ خدا پر جلوس
ہے وہ سلطانِ والا ہمارا نبی ﷺ
بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں
شمع وہ لے کر آیا ہمارا نبی ﷺ
جن کے تلووں کا دھوون ہے آبِ حیات
ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی ﷺ
عرش و کرسی کی تھیں آئینہ بندیاں
سوئے حق جب سدھارا ہمارا نبی ﷺ
خلق سے اولیاء اولیاء سے رسل
اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی ﷺ
حسن کھاتا ہے جس کے نمک کی قسم
وہ ملیح دِل آرا ہمارا نبی ﷺ
ذکر سب پھیکے جب تک نہ مذکور ہو
نمکین حسن والا ہمارا نبی ﷺ
جس کی دو بوند ہیں کوثر و سلسبیل
ہے وہ رحمت کا دریا ہمارا نبی ﷺ

جیسے سب کا خدا ایک ہے ویسے ہی
اِن کا اُن کا تمہارا ہمارا نبی ﷺ
قرنوں بدلی رَسولوں کی ہوتی رہی
چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی ﷺ
کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہیے
دینے والا ہے سچا ہمارا نبی ﷺ
کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے
پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی ﷺ
ملک کونین میں انبیاء تاجدار
تاجداروں کا آقا ہمارا نبی ﷺ
لامکاں تک اُجالا ہے جس کا وہ ہے
ہر مکان کا اُجالا ہمارا نبی ﷺ
سارے اچھوں میں اچھا سمجھئے جسے
ہے اُس اچھے سے اچھا ہمارا نبی ﷺ
سارے اونچوں میں اونچا سمجھئے جسے
ہے اُس اونچے سے اونچا ہمارا نبی ﷺ
انبیاء سے کروں عرض کیوں مالکو !
کیا نبی ہے تمہارا ہمارا نبی ﷺ
جس نے ٹکڑے کیے ہیں قمر کے وہ ہے
نورِ وحدت کا ٹکڑا ہمارا نبی ﷺ
سب چمک والے اُجلوں میں چمکا کیے
اندھے شیشوں میں چمکا ہمارا نبی ﷺ
جس نے مردہ دلوں کو دی عمر ابد
ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی ﷺ
غمزدوں کو رضا مژدہ دیجے کہ ہے
بے کسوں کا سہارا ہمارا نبی ﷺ

(اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

منقبت

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو
قسیم جام عرفاں اے شہ احمد رضا تم ہو
غریق بحر الفت مست جام بادۂ وحدت
محب خاص، منظور حبیب کبریا تم ہو
جو مرکز ہے شریعت کا مدار اہل طریقت کا
جو محور ہے حقیقت کا وہ قطب الاولیاء تم ہو
یہاں آ کر ملیں نہریں شریعت اور طریقت کی
ہے سینہ مجمع البحرین، ایسے رہنما تم ہو
حرم والوں نے مانا تم کو اپنا قبلہ و کعبہ
جو قبلہ اہل قبلہ کا ہے وہ قبلہ نما تم ہو
مزین جس سے ہے تاج فضیلت تاج والوں کا
وہ لعل پُر ضیاء تم ہو، وہ دُرِّ بے بہا تم ہو
عرب میں جا کے ان آنکھوں نے دیکھا جسکی صورت کو
عجم کے واسطے لاریب وہ قبلہ نما تم ہو
ہیں سیارہ صفت گردش کناں اہل طریقت یاں
وہ قطب وقت اے سرخیل جمع اولیا تم ہو

عیاں ہے شان صدیقی تمہاری شان تقویٰ سے
کہوں کیوں کر نہ اتقیٰ، جب کہ خیر الاتقیا تم ہو
جلال و ہیبتِ فاروق اعظم آپ سے ظاہر
عدوّ اللہ پر اک حربۂ تیغ خدا تم ہو
اشدّآءُ عَلَی الْکُفّار کے سربسر مظہر
مخالف جس سے تھرائیں وہی شیر و غا تم ہو
تمہیں نے جمع فرمائے نکات و رمز قرآنی
یہ ورثہ پانے والے حضرت عثمان کا تم ہو
خلوص مرتضیٰ، خلق حسن ' عزم حسینی میں
عدیم المثل یکتائے زمن اے باخدا تم ہو
تمہیں پھیلا رہے ہو علم حق اکناف عالم میں
امام اہل سنّت نائب غوث الوریٰ تم ہو
بھکاری تیرے در کا بھیک کی جھولی ہے پھیلائے
بھکاری کی بھرو جھولی، گدا کا آسرا تم ہو
وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ ہر اک سائل کا حق ٹھہرا
نہیں پھرتا کوئی محروم، ایسے باسخا تم ہو
علیم خستہ اک ادنیٰ گدا ہے آستانہ کا
کرم فرمانے والے حال پر اس کے شہا تم ہو

(شاہ عبدالعلیم صدیقی قادری میرٹھی والدِ گرامی قائد ملت اسلامیہ مولانا الشاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہما)

تحفۂ سلام بحضور مجددِ اسلام

سلام اس پر کہ جس نے خدمت تجدید ملت کی
سلام اس پر کہ جس نے خدمت احیائے سنت کی

سلام اس پر کہ جس نے راہ دکھلائی شریعت کی
سلام اس پر کہ جس نے راہ بتلائی طریقت کی

سلام اس پر کہ جس نے عزت شان نبوت کی
سلام اس پر کہ جس نے حرمت جان رسالت کی

سلام اس پر کہ جس نے رمز قرآنی کو بتلایا
سلام اس پر کہ جس نے معنیٔ مستور سمجھایا

سلام اس پر کہ جس نے حل کیے عقدے مسائل کے
سلام اس پر طریقے جس نے بتلائے دلائل کے

سلام اس پر کہ جس نے رد کیے باطل عقائد کو
سلام اس پر کہ کچلا جس نے ان حشو و زوائد کو

سلام اس ذات پر جو واقفِ سرِّ حقیقت تھی
سلام اس ذات پر جو ہادیِ راہ طریقت تھی

سلام اس ذات پر جو بزم آرائے شریعت تھی
سلام اس ذات پر جو پاسبان دین فطرت تھی

سلام اس ذات پر جو صاحب عشق نبوت تھی
سلام اس ذات پر جو شارح حسن و محبت تھی

سلام اس ذات پر جو چشمۂ جان عقیدت تھی
سلام اس ذات پر جو صاحب حسن بصیرت تھی

سلام اس پر کہ جس کے روبرو خم یہ زمانہ ہے
اور اس کیفی کو بھی جس سے عقیدت والہانہ ہے

(جناب کیفی صاحب ساکن بکسر ضلع شاہ آباد (آرہ) بہار)

* * *

عرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضور نبی کریم ﷺ کی رحمت سے آج دنیا بھر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی ؒ کی تعلیمات پھیل چکی ہیں، آپ کے رسائل، تصانیف و فتاویٰ جات بڑے اہتمام و انتظام سے چھپ رہے ہیں، بڑے بڑے ادارے، مکتبات و تنظیمات اس کارِ خیر میں حصہ لے رہے ہیں اور اعلیٰ حضرت کی تعلیمات و خدمات کا چرچا کر کے صدقۂ جاریہ میں شامل ہو رہے ہیں۔ فتاویٰ رضویہ جو کہ تیس ضخیم جلدوں میں پھیلا ہوا ہے اور بہت بڑا فقہی سرمایہ ہے، رضا فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام شائع ہو چکا ہے، اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اکبر بک سیلرز نے بھی اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کو عام کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے اور آپ کے رسائل و تصنیفات کو اشاعت و طباعت کے زیور سے آراستہ کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ کیونکہ اعلیٰ حضرت کی علمی و تحقیقی کتب اس پُرفتن دور کی اہم ترین ضرورت ہیں، جن سے ہمارے تقریباً تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس نیک منصوبے کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی و کامیابی عطا فرمائے۔ تاحال آپ رحمۃ اللہ علیہ کے جو رسائل و کتب چھپ چکی ہیں وہ یہ ہیں: عرفانِ شریعت، احکامِ شریعت، رسائل اعلیٰ حضرت (مجموعہ رسائلِ ثمانیہ)، حدائقِ بخشش، مزارات پر عورتوں کی حاضری، الخطبات الرضویہ، شمع شبستانِ رضا، مجموعہ اعمالِ رضا، الوظیفۃ وغیرہا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ رفتہ رفتہ خرامہ

خرامہ دیگر نایاب اور ضروری کتابوں کو بھی منظر عام پر لایا جائے گا۔

کتاب ''اعلیٰ حضرت اعلیٰ سیرت'' اکبر بک سیلرز کے لئے باعث صد افتخار ہے کہ جہاں اس نے اعلیٰ حضرت کی تصنیف شدہ بہت سی کتابیں چھاپ دی ہیں وہاں آپ کی سیرتِ طیبہ پر بھی ایک کتاب شائع کردی ہے تاکہ عوام الناس جہاں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات سے بہرہ ور ہوں وہاں آپ کی سیرتِ مبارکہ کا مطالعہ کر کے فیضیاب بھی ہوں۔ مصنفِ کتابِ ہذا مولانا محمد رضاء الحسن قادری نے اس کتاب میں اعلیٰ حضرت امامِ اہل سنت کی حیات وتعلیمات، ملی وسیاسی، علمی و دینی خدمات و واقعات نیز اعلیٰ حضرت پر اُٹھنے والے بعض چکنے چپڑے اور بے بنیاد اعتراضات کا حاشیہ میں ازالہ کیا ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب عامۃ المسلمین کے لئے فائدہ مند ثابت ہوگی۔

دعا ہے کہ اللہ جل مجدہ مولانا محمد رضاء الحسن قادری دامت برکاتہ العالیہ کو مزید علمی وتحقیقی کارنامے سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کی اس سعی کو اپنے دربارِ پُر انوار میں مقبول و منظور فرمائے اور اس کتاب کو مصنف، ناشر، کمپوزر اور جملہ معاونین کے لئے باعثِ برکت بنائے۔ آمین

والسلام مع الاکرام

محمد اکبر قادری

منگل ۶ دسمبر ۲۰۰۵ء

مُقدّمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَا عَلَّمَ مِنَ الْبَيَانْ وَاَلْهَمَ مِنَ التِّبْيَانْ وَتَمَّمَ مِنَ الْجُوْدِ وَالْاِحْسَانْ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الْاَتْمَان الْاَكْمَلَانْ عَلٰى سَيِّدِ وُلْدِ عَدْنَانْ اَلْمَبْعُوْثُ بِاَكْمَلِ الْاَدْيَانْ اَلْمَنْعُوْتُ فِى التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْفُرْقَانْ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَالتَّابِعِيْنَ لَهُمْ بِاِحْسَانْ صَلٰوةً دَائِمَةً مَّاكَرَّ الْجَدِيْدَانْ وَعُبِدَ الرَّحْمٰنْ ___ اَمَّابَعْدُ!

اعلیٰ حضرت امام محمد احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات پر اس قدر لکھا جاچکا ہے کہ مزید لکھنے کی ضرورت نہیں۔ عربی، اردو، فارسی، انگلش تقریباً ہر زبان میں چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے رسالے و مقالے کثیر التعداد موجود ہیں اور پھر کئی سُنی تنظیمیں اور ادارے بھی معرض وجود میں آچکے ہیں، جنہوں نے اعلیٰ حضرت کی حیات وتعلیمات کو اس قدر نمایاں اور اجاگر کیا ہے کہ ہندوستان تو کیا، پوری دنیا میں ہر شخص اعلیٰ حضرت کی حیات و خدمات سے تقریباً واقف ہو چکا ہے۔

اس کتاب کو لکھنے کے اسباب کچھ یوں ہیں کہ حضرت قبلہ والد گرامی مولانا مفتی غلام حسن قادری مدظلہ العالی نے ماہ ذوالحجہ 1425ھ/ نومبر 2004ء میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' جو کہ ''کلام الامام امام الکلام'' کا مصداق ہے، کی شرح بنام ''شرح کلام رضا فی نعت المصطفیٰ'' مکمل کرنے

کی سعادت حاصل کی، جو مشتاق بک کارنر (الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور) سے بڑی شرح و بسط کے ساتھ زیور طباعت سے آراستہ ہو کر عنقریب منظر عام پر جلوہ افروز ہو گی۔ میں نے قبلہ والد صاحب سے عرض کیا کہ حدائق بخشش چونکہ اعلیٰ حضرت کی کتاب ہے، لہٰذا مناسب ہو گا کہ شرح کے شروع میں حسبِ رواج اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی لگا دیئے جائیں۔ آپ نے مجھے حالات لکھنے کا حکم دیا، لیکن جب اعلیٰ حضرت کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا اور آپ کی حیات مبارکہ کو مختلف زاویوں سے دیکھا تو زندگی کے ہر ہر گوشے کو پڑھ کر ایک نیا ہی کیف و سرور حاصل ہوا، ایک سے بڑھ کر ایک چیز پسند آئی، ہر واقعے کا ایک نیا انداز تھا۔ واقعات و حالات اتنے دل کو بھائے کہ میں نے کتاب کی طوالت کو نظر انداز کرتے ہوئے تمام واقعات کو اس کتاب میں جمع کر دیا، جہاں سے بھی کچھ مناسب حالات دریافت ہوئے، کتاب میں شامل کر لیے۔ جس کی وجہ سے کتاب کافی طویل ہو گئی۔ میں نے کئی مرتبہ اسے علیحدہ سے طبع کروانے کا ارادہ کیا، لیکن کسی نہ کسی وجہ سے ارادہ ملتوی ہو جاتا۔ آخر کار منشا و مراد مل گئی وہ اس طرح کہ محمد اکبر قادری صاحب (اکبر بک سیلرز، زبیدہ سنٹر، اُردو بازار، لاہور) نے جب میری پہلی کتاب ''مومن کا زیور داڑھی'' شائع کی تو اس کے کچھ ہی دن بعد مجھے کہنے لگے کہ سیرت پر بھی کچھ لکھیں۔ میں پہلے ہی اس امر کا منتظر تھا، چنانچہ اس کتاب کے بارے میں ان کو آگاہ کیا، تو وہ بہت مسرور ہوئے اور کہا کہ فوراً مجھے فراہم کریں۔ میں نے انہیں بتایا کہ ابھی اس میں کچھ کمی بیشی کرنی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ڈیڑھ ہفتے کے قلیل عرصے میں دن رات کی انتھک کوششوں سے یہ کتاب مکمل کر کے ان کے سپرد کی۔ ویسے تو میں ربیع الثانی شریف کے بابرکت مہینے میں اس کتاب کو مکمل کر چکا تھا لیکن اب مزید چند اضافوں کے ساتھ رمضان المبارک میں صحیح معنوں میں فراغت ہوئی۔

دعا ہے کہ اللہ عزوجل میری اس کتاب کو اور ''مومن کا زیور داڑھی'' اور ''شرم و حیا'' تمام کو تاقیامِ قیامت عزت و عظمت عطا فرمائے۔ ان کو میرے لئے، ناشر

معاونین، اراکین اور قارئین کے لئے فائدہ مند بنائے اور میرے لیے ذریعہ نجات بنائے۔

آمین ثم آمین یا رب العالمین بحرمة سیّد الانبیاء والمرسلین ۔

دعا گو ودعا جو

محمد رضاء الحسن قادری

انوارِ باہو لائبریری، جامع مسجد و محلہ مولانا روحی
اندرون بھاٹی گیٹ، لاہور
۱۴ رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ/ ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایک نظر میں

ولادتِ باسعادت	1272ھ/ 1856ء
ختمِ قرآنِ کریم	1276ھ/ 1860ء
پہلی تقریر دلپذیر	1278ھ/ 1861ء
جدِ امجد مولانا رضا علی خان کا وصالِ صد ملال	1282ھ/ 1866ء
پہلی عربی تصنیف	1285ھ/ 1868ء
دستارِ فضیلت	1286ھ/ 1869ء
آغازِ فتویٰ نویسی و درس وتدریس	1286ھ/ 1869ء
شادی خانہ آبادی	1291ھ/ 1875ء
حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان کی پیدائش	1292ھ/ 1875ء
فتویٰ نویسی کی مطلق اجازت	1293ھ/ 1876ء
پہلی اُردو تصنیف	1294ھ/ 1877ء
بیعت وخلافت	1294ھ/ 1877ء
پہلا حج اور زیارات	1295ھ/ 1878ء
شیخ احمد زینی دحلان مکی، شیخ حسین بن صالح اور شیخ عبدالرحمٰن سے اجازتِ حدیث	1295ھ/ 1878ء
والد ماجد مولانا نقی علی خان کا انتقال	1297ھ/ 1880ء
پیرومرشد شاہ آلِ رسول مارہروی کا وصال	1297ھ/ 1880ء

تحریکِ ترکِ گاؤکشی کا سدِّ باب	1298ھ/ 1881ء
پہلی فارسی تصنیف	1299ھ/ 1882ء
مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان کی پیدائش	1310ھ/ 1892ء
علمائے ہند کی طرف سے خطاب ''مجدد مائۃ حاضرہ''	1318ھ/ 1900ء
المعتمد المستند کی تکمیل	1320ھ/ 1901ء
تاسیس دارالعلوم منظرِ اسلام، بریلی	1322ھ/ 1904ء
الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ کی تکمیل	1323ھ/ 1904ء
دوسرا حج اور زیارات	1323ھ/ 1905ء
حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین کی تکمیل	1324ھ/ 1906ء
علمائے مکہ و مدینہ کے نام سنداتِ اجازت و خلافت	1324ھ/ 1906ء
کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کا آغاز	1330ھ/ 1912ء
تاسیسِ جماعتِ رضائے مصطفیٰ، بریلی	1336ھ/ 1917ء
وصالِ پُرملال	1340ھ/ 1921ء

اعلیٰ حضرت، اعلیٰ سیرت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وادی رضا کی کوہ ہمالہ رضا کا ہے
جس سمت دیکھئے وہ علاقہ رضا کا ہے

جو شخص برصغیر پاک و ہند کے ماضی قریب کی تاریخ سے واقفیت رکھتا ہے، اسے خوب معلوم ہے کہ یہ عرصہ کتنا پرآشوب اور ہنگامہ ہائے رستاخیز سے معمور تھا۔ انسان کی سیرت و کردار کی تشکیل میں اس کے عصری حالات، جو فیصلہ کن اثر ڈالتے ہیں، وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض لوگ اپنے عصری تقاضوں سے منفعل اور متاثر ہوتے ہیں اور بعض لوگ خود ان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لئے کسی کی زندگی کا تجزیہ کرتے ہوئے اس کے زمانے کے احوال سے صرف نظر قطعاً مستحسن نہیں۔ لہٰذا اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، امام اہل سنت، مجدد دین و ملت، مجدد مائۃ حاضرہ و سابقہ، مؤید ملت طاہرہ، ناصر سنت زاہرہ و صاحب حجت قاہرہ مولانا امام الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمہ اللہ القوی کی ذات ستودہ صفات کو سمجھنے کے لئے آپ کے عہد کے مزاج کو سمجھنا اور ان کے تاریخی عوامل کا جائزہ لینا ازحد اہم ہے جو اس وقت کارفرما تھے۔

ذرا چشم تصور کو وا کیجئے اور دیکھئے کے افق ہند پر ایک ہزار سال تک درخشاں رہنے کے بعد اب مسلمانوں کا آفتاب اقبال غروب ہوا چاہتا ہے۔ بابر و اورنگ زیب کی اولاد اب شمشیر و سنان سے راہ و رسم توڑ چکی ہے اور طاؤس و رباب پر فریفتہ ہونے لگی ہے۔ جہاں جوانوں کا خون گرمانے کے لیے رجز پڑھے جاتے تھے، وہاں اب عصمت فروش

رقاصائیں اپنی پائلوں کی جھنکار سے غیرت وحمیت کے جذبات کو لوریاں دے رہی ہیں۔ جہاں مائیں بچوں کو خالد و طارق کے قصے سنا کر پروان چڑھاتی تھیں، وہاں اب عشق وحسن کی بدمستیوں کی کہانیاں وجۂ تسکینِ خاطر اور باعث گرمیٔ محفل بن گئی ہیں۔ روحوں کی پاکیزگی، حوصلوں کی بلندی اور عزائم کی پختگی کو عیش وعشرت کی دیمک نے چاٹ کر کھوکھلا کر دیا ہے۔ جن کے آباؤ اجداد کے نام سن کر اغیار کے دل لرز لرز جایا کرتے تھے، آج لال قلعے کی مضبوط اور گہری خندقیں بھی دشمنوں کی یلغار سے انہیں پناہ نہیں دے سکتیں۔ ملک کے طول وعرض میں ہر طرف فتنہ وفساد کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ طوائف الملوکی کا دور دورہ ہے۔ ایک ہی مملکت سینکڑوں چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ چکی ہے۔ کہیں مرہٹوں کی بربریت نے کہرام مچا رکھا ہے اور کہیں سکھوں کے وحشیانہ مظالم سے قیامت برپا ہے۔ مغل اقتدار راس کماری اور درۂ خیبر سے سمٹ کر قلعۂ معلٰی میں محصور ہو گیا ہے۔

انگریز اندرونی خلفشار سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان پر اپنی گرفت دن بدن مضبوط کرتے جا رہے ہیں۔ یکے بعد دیگرے ایک ایک صوبہ اور ایک ایک ریاست ان کے زیرِ نگیں ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ان المناک حالات میں اسلامی حمیت نے ایک جھرجھری سی لی۔ علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے نعرۂ جہاد سے سارا ہندوستان گونج اٹھا۔ فرنگی استعمار کا مقابلہ کرنے کے لئے علمائے حق کفن بدوش، سربکف میدان عمل میں اتر آئے۔ ہندوستان کا ہر قابل ذکر شہر میدان کارزار بن گیا اور شمع آزادی کو روشن رکھنے کے لئے مسلمانوں نے بے دریغ قربانیاں دیں لیکن جاہ طلب اور مصلحت اندیش امراء کی غداری اور صحیح فوجی قیادت کے فقدان کے باعث ملک وملت کے سرفروش مجاہدین اور آزادی کے سپاہیوں کو چن چن کر تہ تیغ کیا جانے لگا۔ چونکہ آزادی کا صور اسرافیل پھونکنے والے، جہاد کے نقارے پر پہلی چوٹ لگانے والے، میدان جنگ میں کفر وباطل کو للکارنے والے، اکثر وبیشتر علمائے اہل سنت اور ان کے پیروکار ہی تھے۔ اس لئے انتقام کے شعلے انہیں کی طرف لپکے۔ انگریز کی آتش غضب انہی کے خرمنِ امن وعافیت کو

خاکستر بناتی رہی۔ حریت کیش مجاہدین کو سزا دینے کے لئے فوجی عدالتیں قائم کی گئیں۔ چند سفاک اور خون آشام لوگوں کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ مردان حر کو' جنہوں نے خوشی سے غلامی کی بیڑیاں پہننے سے انکار کر دیا تھا' جو چاہیں سزا دیں۔ ان کا سفاک قلم عدل و انصاف کے تمام تر تقاضوں کو یکسر فراموش کر دیتا ہے۔ جلیل القدر فضلاء کو' جن کی نظیر مادر گیتی بار بار پیدا نہیں کرتی' عبور دریائے شور کی سزا دی جاتی ہے۔ سینکڑوں کو جلاوطن کر دیا جاتا ہے' ہزاروں علمائے کرام کو درختوں کے تنوں سے باندھ کر گولی سے اڑا دیا جاتا ہے۔ فطرت بڑی کفایت شعار ہے۔ دیدہ بینا اور عقل رسا کی نعمت ارزاں اور عام نہیں ہوتی' برسوں کی تگ و دو کے بعد کہیں کوئی مرد حکیم بزم آراء ہوتا ہے۔

؎ عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

اور

؎ ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ایک عالم ربانی کے اٹھ جانے سے جو خلا پیدا ہوتا ہے اس کا پر ہونا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ یہاں تو سینکڑوں نابغۂ روزگار ہستیاں بڑی بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دی گئی تھیں۔ ان کی شہادت اور جلاوطنی سے ایک ناقابل تلافی اور ہولناک خلا کا پایا جانا ایک قدرتی امر تھا۔ قوم اپنے ذہنی ارتقاء' علمی نشوونما' تہذیبی اقتدار کی حفاظت اور اپنے عقائد کے تحفظ کے لئے علماء کی محتاج ہوتی ہے۔ جب تک قوم میں ایسے مردان حر موجود ہوتے ہیں' جن کی نگاہیں حقیقت شناس اور زبانیں حق گوئی میں بے باک ہوتی ہیں تو کوئی فتنہ قوم کو ہرگز گزند نہیں پہنچا سکتا۔ ادھر کوئی فتنہ کھڑا ہوا ادھر اس کی تلوار بے نیام ہوئی اور بجلی بن کر گری اور اس فتنہ کو خاک کا ڈھیر بنا دیا۔ لیکن جب ایسے نفوس قدسیہ سے قوم کی بزم خالی ہو جاتی ہے تو ہر بہروپیے کو کھیل کھیلنے کا موقع مل جاتا ہے اور وہ اپنی شاطرانہ چابک دستی سے لوگوں کو اپنے دام تیز ویز میں پھنسا لیتا ہے۔ جنگ

آزادی میں ناکامی کے بعد ملت اسلامیہ کو اس قسم کے حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ اس طوفان نے ان دہکتے ہوئے ان گنت چراغوں کو گل کر دیا، جن سے رشد و ہدایت کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ ہر طرف مایوسی اور اداسی کے اندھیرے چھا گئے، جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

اہل نظر کو ایک بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ انگریز کا ہندوستان پر تسلط فوجی قوت کی بالادستی تک محدود نہ تھا، بلکہ ان کے ہمرکاب ان کی مادی ترقی کی مبالغہ آمیز داستانیں بھی تھیں۔ ان کے ساتھ سائنس کے جدید اور تعجب خیز انکشافات بھی تھے۔ ان کے پاس صنعتی اور فنی محیر العقول ایجادات بھی تھیں۔ مزید براں وہ ایک ملحدانہ فلسفۂ حیات بھی اپنے ہمراہ لائے تھے۔ ان میں سے ہر چیز مفتوح اور مغلوب قوم کے متاع ہوش و خرد کر لوٹ لینے کے لئے کافی تھی۔ دشمن بڑے مہلک ہتھیاروں سے مسلح ہو کر یہاں آیا تھا اور یہاں اس کی دعوت مبارزت کو قبول کرنے والے اور اس کی نحوست و رعونت کو خاک میں ملانے کا دم خم رکھنے والے یا تو اپنے پرانوار مرقدوں میں آرام فرما تھے یا اسیران زندان جفا، میدان خالی تھا، انگریز نے اسلامی حکومت کا چراغ گل کرنے کے بعد انہیں دولت دین و ایمان سے محروم کرنے کا بھی عزم بالجزم کر لیا، کیونکہ ملت صالح اور حکیمانہ قیادت سے محروم ہو چکی تھی۔ اس لئے بعض نوجوانوں کو، جن میں حکمت کی متانت کم اور جوش و خروش زیادہ ہوتا ہے، انگریز نے اپنے دام فریب میں آسانی سے اسیر کر لیا، دیکھتے ہی دیکھتے ایک ایسی کھیپ تیار ہو گئی جن کے قلب و نظر کو اغیار کی عشوہ طرازیوں نے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ وہ برملا اسلامی تعلیمات کا استخفاف کرنے لگے۔ دین کے اصول، دین کے مسلمات کا انکار ان کے لئے قطعاً کوئی اہم بات نہ رہی۔ انہیں اپنے اسلامی تمدن سے بھی گھن آنے لگی۔ وہ اپنے تاباں ماضی سے بھی نفرت کرنے لگے، اور اپنے اسلاف کرام سے قطع تعلق کرنے میں ہی اپنی عزت اور توقیر سمجھنے لگے اور خود خوشامد پسند کاسہ لیسوں کے سرخیل ہوتے ہوئے ان پیکران استغناء و استقامت پر تملق پیشگی اور شاہ پرستی کی تہمت لگانے لگے، جن کی سیر چشمی اور بے نیازی کی قسم فرشتے بھی

کھا سکتے ہیں۔ غرضیکہ ہر وہ چیز جو اسلام کے تقدس اور روحانی عظمت کی آئینہ دار تھی۔ اس کو بے توقیر اور بے وقعت کر دینے کی کوشش کو خدمت اسلام کا نام دیا جانے لگا۔ عظمت اسلام کو ہدف طعن بنانے کی خدمت وہ نوجوان انجام دینے لگے جو ملت کی امیدوں کا مرکز اور خوابوں کی تعبیر بننے کی اہلیت رکھتے تھے۔ شجر اسلام کو اکھاڑ پھینکنے کے لئے وہ لوگ پیش پیش تھے، جن کے آباء واجداد نے اپنے خونِ ناب سے اسے سینچا تھا۔

غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشہ کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخارا

نور دیدہ، پیر کنعاں چشم زلیخا کو کیوں روشن کرنے لگا؟ اپنوں سے کٹ کر بیگانوں سے محبت کی پینگیں کیوں بڑھانی شروع کر دیں؟ ضروریاتِ دین اور مسلمات پر ان کا یقین کیوں متزلزل ہو گیا؟ آیات قرآنی کی بے جا تاویلات بلکہ تحریفات کی جرأت اس میں کیوں پیدا ہو گئی؟ یہ سوالات اتنے غیر اہم نہیں ہیں کہ ان سے پہلو تہی کر کے انسان آگے گزر جائے۔ بلکہ یہ محض مسلمانوں کیلئے دعوت فکر ہے، جس پر سنجیدگی سے غور وفکر کرنا ہمارا فرض اولین ہے۔ میرے نزدیک اس کے کئی اسباب تھے، سیاسی ادبار کے بعد احساس کمتری، جدید فاتح قوم کی مادی قوت، علمی سربلندی اور قلب ونظر کو مسحور کر دینے والے افکار ونظریات اور ایسے علماء کا فقدان، جو ان عوامل ومحرکات کی طغیانیوں کے سامنے سد سکندری بن کر کھڑے ہونے کی ہمت رکھتے ہوں۔ ان کے علاوہ ایک ایسی تحریک جس نے مسلمانوں کے دل سے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی عظمت کے نقوش دھندلا دینے کے بعد محبت کبریا علیہ اطیب التحیۃ والثناء کے چشم فیاض کو گدلا کرنے کی مساعی کو دین حق کی صحیح خدمت خیال کر لیا۔ جب آنکھیں خاک مدینہ ونجف سے سرگیں نہ ہوں تو دانش فرنگ کے جلوے اسے بآسانی خیرہ کر لیتے ہیں۔ جب دل محبوب رب العالمین کی صہبائے عشق سے سرشار نہ ہو تو نفس کی ہولنا کیاں اسے بآسانی بدمست کر سکتی ہیں۔ جب ذہن کی لو پر عظمت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا نقش جلی قلم سے

مرقوم نہ ہو تو اس لوح پر آپ کوئی سا بھی نقش کندہ کر سکتے ہیں۔ جب سرورِ عالم و عالمیان ﷺ سے بندۂ مومن کا رشتۂ عقیدت ٹوٹ جائے تو اس کو ہر صیاد اپنا نخچیر زبوں بنا سکتا ہے۔

سیاسی ادبار کے ساتھ ساتھ ذہنی اور فکری اتحاد بھی پارہ پارہ ہونے لگا۔ وہ اساس محکم کمزور ہونے لگی، جس کے سہارے فقر اسلام حوادثات دہر کا مقابلہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ایسی چیزیں بھی ظہور پذیر ہونے لگیں، جن کا تصور تک بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں سے ہی ایک شخص نے وقوعِ کذب باری کو صحیح مانا۔ کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو کسی نے ختم نبوت کا انکار کر دیا اور کوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ اقدس میں سخت قسم کی گستاخی کرنے لگا۔ دین کے ایک ایک مقصد سے برملا غداری کی، جہاد کو حرام قرار دیا۔ اتنی جسارت کے باوجود اسی ملت میں سے انہیں اپنے حواری تلاش کرنے میں بھی کوئی دقت نہ ہوئی۔ جو سانحہ اسلام کی تیرہ صد سالہ تاریخ میں رونما نہیں ہوا تھا۔ وہ انگریزی اقتدار کی گرفت مضبوط ہونے میں وقوع پذیر ہو گیا۔

ان قیامت خیز حالات میں بریلی کی سرزمین کے ایک معزز خاندان میں ایک روح ارجمند تشریف فرما ہوئی، جس کے مقدر میں ان تمام داخلی اور مذہبی فتنوں سے نبرد آزما ہونا رقم تھا اور پیکر حسن و جمال، مصدر جود و نوال، منبع فضل و کمال اور مرکز عشق و محبت ﷺ سے ملت کا رشتۂ عقیدت و نیاز مندی استوار کرنا تھا۔ یعنی

جس نے ہر دل میں لگائی عشق احمد کی لگن
وہ امام عاشقاں احمد رضا خان قادری

آیئے! ورق اُلٹیے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی ؒ کی زندگی کا تفصیلاً مطالعہ کیجئے۔

ولادت باسعادت

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی ؒ ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون 1856ء موافق 11 جیٹھ 1913ب بروز ہفتہ بوقت ظہر ہندوستان کے مشہور و معروف

شہر بریلی (یوپی U.P) کے محلہ جسولی میں پیدا ہوئے۔

جب ہوئے جلوہ کناں احمد رضا خاں قادری

جگمگا اٹھا جہاں احمد رضا خاں قادری

آپ نے اپنا سن ولادت قرآن پاک کی اس آیت مبارکہ سے استخراج فرمایا:

اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡاِیۡمَانَ وَاَیَّدَہُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡہُ

1272ھ

”یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو نقش کر دیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی“۔

(ترجمہ کنز الایمان، سورۃ المجادلۃ :22، پ :28)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ولادت کی تاریخوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

”بحمد اللہ تعالیٰ میری ولادت کی تاریخ اس آیتِ کریمہ میں ہے: اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ .... الخ۔ اور اس کا صدر ہے: لَا تَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَلَوۡ کَانُوۡۤا اٰبَآءَہُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَہُمۡ اَوۡ اِخۡوَانَہُمۡ اَوۡ عَشِیۡرَتَہُمۡ (سورۃ المجادلۃ :22، پ :8) ”نہ پائیں گے آپ ان لوگوں کو جو اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اللہ و رسول کے مخالفوں سے دوستی رکھیں اگرچہ وہ ان کے باپ یا ان کی اولاد یا ان کے بھائی یا ان کے کنبے قبیلے ہی کیوں نہ ہوں“۔

(ترجمہ کنز الایمان)

اس کے ساتھ ہی فرمایا: اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ ...... الخ بحمد اللہ تعالیٰ مجھے بچپن ہی سے نفرتِ اعداءِ اللہ گھٹی میں پلا دی گئی ہے۔

اور بحمد اللہ تعالیٰ ہر بدمذہب پر ہمیشہ فتح وظفر حاصل ہوئی۔ رب العزت جل جلالہ نے روح القدس سے تائید فرمائی۔ اللہ تعالیٰ پورا فرمائے

وَیُدۡخِلُہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ط رَضِیَ

اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔

"اور (اللہ) انہیں باغات میں لے جائے گا، جن کے نیچے نہریں ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ اللہ کی جماعت ہے۔ خبردار! اللہ کی جماعت ہی کامیاب ہے"۔

(ترجمہ کنز الایمان، سورۃ المجادلہ: 22، پ: 28)

اسم گرامی

اعلیٰ حضرت کے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا نام "محمد" رکھا اور جد امجد حضرت مولانا رضا علی خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "احمد رضا" رکھا۔ تاریخی نام "المختار" (1272ھ) رکھا گیا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنے نام سے پہلے "عبدالمصطفیٰ" کا اضافہ کیا۔ چنانچہ حدائق بخشش میں فرماتے ہیں:

ے خوف نہ رکھ رضا ذرا تو تو ہے "عبد مصطفیٰ"
تیرے لیے امان ہے، تیرے لیے امان ہے

آپ کا تخلص "رضا" ہے اور عوام اہل سنت آپ کو "اعلیٰ حضرت"، "امام اہل سنت" اور "فاضل بریلوی" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

شجرۂ نسب اور خاندانی حالات

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نسباً پٹھان، مسلکاً حنفی، مشرباً قادری اور مولداً بریلوی تھے۔ آپ کا شجرۂ نسب یوں ہے:

"احمد رضا خان بن نقی علی خان بن رضا علی خان بن کاظم علی خان بن محمد اعظم خان بن محمد سعادت یار خان بن محمد سعید اللہ خان (رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً کبیرۃً کثیرۃً واسعۃً دائمۃً)

اعلیٰ حضرت نے حدائق بخشش میں یوں ذکر کیا ہے:

ے احمد ہندی رضا ابن نقی ابن رضا

فاضل بریلوی کے آباؤ اجداد قندھار کے معزز قبیلہ "بڑھیچ" کے پٹھان تھے۔ وہ شاہان مغلیہ کے دور میں لاہور آئے اور معزز عہدوں پر فائز ہوئے۔ لاہور کا شیش محل انہی کی جاگیر تھا۔ پھر وہاں سے دہلی آئے اور معزز عہدوں پر فائز رہے۔ خاندانی روایات کے مطابق محمد سعید اللہ خان ﷫ شش ہزاری عہدہ پر فائز تھے۔ دربار شاہی سے آپ کو "شجاعت جنگ" کا لقب عطا ہوا۔ ان کے صاحبزادے محمد سعادت یار خان ﷫ حکومت مغلیہ کی طرف سے ایک جنگی مہم سر کرنے کے لئے روہیل کھنڈ بھیجے گئے۔ فتح یابی پر ان کو بریلی کا صوبہ بنانے کیلئے فرمان شاہی آیا لیکن اس وقت آپ بستر مرگ پر تھے اور سفر آخرت کی تیاری فرما رہے تھے۔ ان کے صاحبزادے محمد اعظم خان ﷫ بریلی شریف میں کچھ عرصہ وزارت کے عہدہ پر فائز رہے۔ پھر امور سلطنت سے بالکل الگ ہو کر عبادت و ریاضت میں مشغول رہنے لگے۔ آپ نے ترک دنیا فرما کر شہر بریلی کے محلہ معماران میں اقامت اختیار فرمائی اور وہیں مزار پاک بھی ہے۔ آپ کا شمار صاحب کرامت اولیاء میں ہوتا ہے۔ ان کے صاحبزادے اور اعلیٰ حضرت کے جدِ اعلیٰ کاظم علی خان ﷫ شہر بدایوں کے تحصیل دار تھے۔ (آج کل یہ عہدہ D-M کے برابر ہے) دو سو سواروں کی بٹالین (Battalion) آپ کی خدمت میں رہتی تھی آپ کو آٹھ گاؤں معافی جاگیر میں ملے تھے۔

جدِّ امجد مولانا رضا علی خان بریلوی:

اعلیٰ حضرت ﷫ کے جد امجد حضرت مولانا رضا علی خان بریلوی ﷫ بریلی کے بزرگ ترین علماء میں سے تھے۔ اعلیٰ حضرت کے خاندان میں آپ ہی کے وقت سے حکمرانی کا رنگ ختم ہو کر فقر و درویشی کا نور غالب آ گیا۔ ورنہ آپ سے پہلے بزرگوں کا یہ عالم تھا کہ شروع میں امور سلطنت کے عہدوں پر فائز رہتے تھے پھر آخری عمر میں اس سے الگ ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتے چنانچہ یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

مولانا رضا علی خان ﷫ 1224ھ میں پیدا ہوئے اور شہر ٹونک میں مولوی خلیل الرحمٰن صاحب سے علوم درسیہ حاصل کر کے 22 سال کی عمر میں 1247ھ کو سند فراغت

حاصل کی۔ آپ کو جمیع علوم خصوصاً علم فقر و تصوف میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ پر تاثیر تقریر فرماتے تھے‘ جو سامعین کے قلوب و اذہان کو معطر و منور کرتی تھی۔ آپ کے اوصاف شمار سے باہر ہیں۔ خصوصاً نسبت کلام و سبقت سلام‘ زُہد و قناعت‘ علم و تواضع‘ تجرید و تغرید آپ کی خصوصیات سے تھا۔ آپ 2 جمادی الاولیٰ 1282ھ /1866ء میں اس دار فانی سے کوچ فرما گئے۔

والد ماجد مولانا نقی علی خان بریلوی:

اعلیٰ حضرت ؒ کے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خان بریلوی ؒ رجب المرجب 1246ھ / 1830ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مولانا رضا علی خان علیہ الرحمتہ والرضوان سے حاصل کی اور تھوڑی ہی عمر میں سند فراغت حاصل کر لی‘ جب زیارت حرمین شریفین کیلئے حاضر ہوئے تو سیدنا امام احمد زینی دحلان مکی اور دیگر علمائے مکہ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین سے مکرر سند حدیث حاصل کی۔

ذہن ثاقب و رائے صائب رکھتے تھے۔ حق تعالیٰ جل وعلا نے ان کو عقل معاش و معاد دونوں میں ممتاز اقران بنایا تھا۔ علاوہ شجاعت جبلی حضرت صفتِ سخاوت و تواضع سے بھی متصف تھے۔ اپنی تمام ترقیمتی عمر اشاعت سنت و ازالہ بدعت میں صرف فرما دی اور 30 کے قریب کتب تصنیف فرمائیں۔

آپ 5 جمادی الاخریٰ 1294ھ کو مارہرہ شریف میں حاضر ہوئے اور سیدنا شاہ آل رسول مارہروی ؓ کے دست حق پر شرفِ بیعت حاصل کیا۔ حضور پرنور مرشد برحق نے خلافت و اجازت جمیع سلاسل و سند حدیث عطا فرمائی۔ آپ کی دو بیٹیاں اور تین بیٹے تھے۔

۱- احمد رضا خان ۲- حسن رضا خان ۳- محمد رضا خان

آپ نے ذیقعدہ 1297ھ /1880ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور روضہ رُضوان میں آرام واطمینان وسکون حاصل کیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رضی اللہ عنہ کا شجرۂ نسب موجودہ سجادہ نشین تک

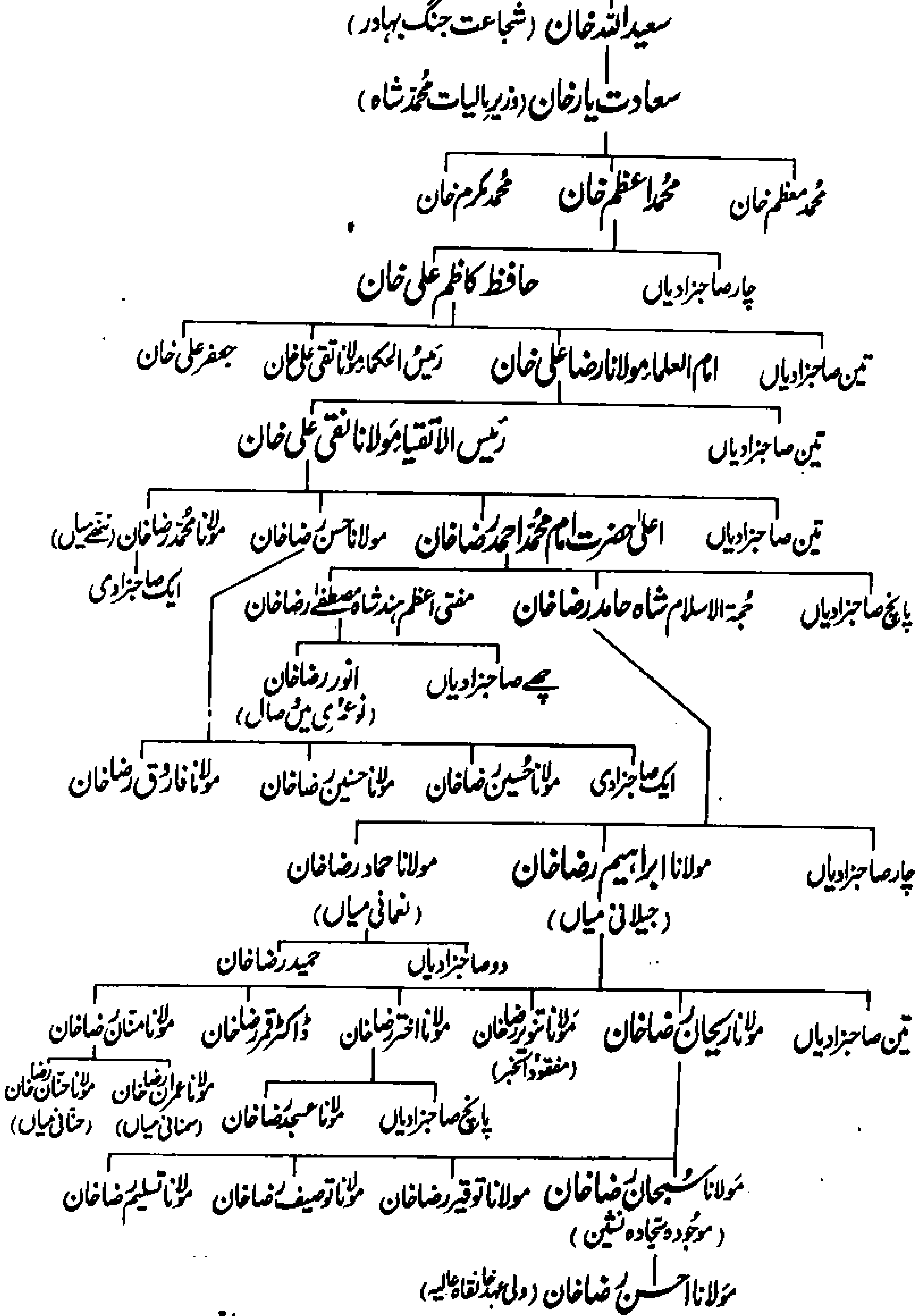
سعید اللہ خان (شجاعت جنگ بہادر)
سعادت یار خان (وزیر مالیات محمد شاہ)
محمد معظم خان
محمد اعظم خان
محمد مکرم خان
چار صاحبزادیاں
حافظ کاظم علی خان
تین صاحبزادیاں
امام العلماء مولانا رضا علی خان
رئیس الحکماء مولانا تقی علی خان
جعفر علی خان
تین صاحبزادیاں
رئیس الاتقیاء مولانا نقی علی خان
تین صاحبزادیاں
اعلیٰ حضرت امام محمد احمد رضا خان
مولانا حسن رضا خان
مولانا محمد رضا خان (ننھے میاں)
ایک صاحبزادی
پانچ صاحبزادیاں
حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا خان
مفتی اعظم ہند شاہ مصطفےٰ رضا خان
چھ صاحبزادیاں
انور رضا خان
(نوعمری میں وصال)
ایک صاحبزادی
مولانا حسین رضا خان
مولانا حسنین رضا خان
مولانا فاروق رضا خان
چار صاحبزادیاں
مولانا ابراہیم رضا خان
(جیلانی میاں)
مولانا حماد رضا خان
(نعمانی میاں)
دو صاحبزادیاں
حمید رضا خان
تین صاحبزادیاں
مولانا ریحان رضا خان
مولانا تنویر رضا خان
(مفقود الخبر)
مولانا اختر رضا خان
ڈاکٹر قمر رضا خان
مولانا منان رضا خان
پانچ صاحبزادیاں
مولانا عسجد رضا خان
مولانا عمران رضا خان
(سمنانی میاں)
مولانا حسان رضا خان
(حسانی میاں)
مولانا سبحان رضا خان
(موجودہ سجادہ نشین)
مولانا توقیر رضا خان
مولانا توصیف رضا خان
مولانا تسلیم رضا خان
مولانا احسن رضا خان (ولی عہد خانقاہ عالیہ)

نوٹ: اختصار اور احترام کے پیش نظر شہزادیانِ خاندانِ رضویت کے نام نہیں لکھے گئے صرف نشاندہی کر دی گئی ہے۔

تحقیق و ترتیب
مولانا محمد ہارون رضا برکاتی رضوی

تعلیم و تربیت

صحیح طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ اعلیٰ حضرت کی بسم اللہ خوانی کس عمر میں ہوئی مگر بسم اللہ خوانی کے وقت ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا کہ آپ کے استاذِ محترم نے جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد ''الف، با، تا، ثا'' پڑھایا تو حضور پڑھتے گئے۔ جب ''لام الف (لا)'' پر پہنچے تو استاذ صاحب نے فرمایا: لام الف۔ آپ خاموش ہو گئے۔ استاذ صاحب نے دوبارہ کہا: کہو میاں! لام الف۔ حضور نے عرض کیا: یہ دونوں تو پڑھ چکے ہیں یعنی لام بھی پڑھ لیا اور الف بھی تو یہ دوبارہ کیسا ہے؟ اس وقت حضور کے جد امجد مولانا رضا علی خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، جو جامع کمالات ظاہری و باطنی تھے، نے فرمایا: بیٹا استاذ کا کہا مانو جو وہ کہتے ہیں، پڑھو۔ حضور نے دادا جان کے حکم کی تعمیل کی اور ان کے چہرہ کو دیکھا۔ مولانا رضا علی خان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فراست ایمانی سے سمجھا کہ بچے کو شبہ ہو رہا ہے کہ یہ حروف مفردہ کا بیان ہے۔ اب اس میں ایک مرکب لفظ کیسے آیا؟ ورنہ یہ دونوں حروف تو پڑھ چکے ہیں۔ اگرچہ حضور کی عمر کے اعتبار سے اس راز کو ظاہر کرنا مناسب نہ تھا اور سمجھ سے بالاتر خیال کیا جاتا تھا مگر حضرت جد امجد نے اپنے نور باطنی سے سمجھا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر کچھ بننے والا ہے۔ اس لیے ابھی سے اسرار و نکات کا ذکر ان کے سامنے مناسب جانا اور فرمایا: بیٹا! تمہارا خیال درست ہے اور سمجھنا بجا ہے مگر بات یہ ہے کہ شروع میں تم نے جس کو الف پڑھا وہ حقیقۃً ہمزہ تھا اور یہ الف ہے۔ چونکہ الف ساکن ہوتا ہے اور ساکن سے ابتداء ناممکن ہے اس لیے ایک حرف یعنی لام، اول میں لاکر اس کا تلفظ بتانا مقصود ہے۔ حضور اعلیٰ حضرت نے عرض کیا: تو کوئی بھی ایک حرف ملا دینا کافی تھا۔ اتنی دور کے بعد لام کی کیا خصوصیت تھی یعنی با، تا، دال، سین وغیرہ بھی تو اول میں لا سکتے تھے۔ حضرت جد امجد نے غایت محبت و جوش میں گلے لگا لیا اور دعائیں دیں پھر فرمایا کہ لام اور الف میں صورۃً اور سیرۃً مناسبت پائی جاتی ہے۔ ظاہراً لکھنے میں بھی دونوں کی صورت ایک سی ہوتی ہے اور سیرۃً اس وجہ سے کہ لام کا قلب الف ہے اور الف کا قلب لام ہے۔ یہ اس کے بیچ میں ہے اور وہ اس کے بیچ میں

ہے۔ گویا

من تو شدم تو من شدی
من تن شدم تو جان شدی
تاکس نگوید بعد ازیں
من دیگرم تو دیگری

کہنے کو تو حضور جد امجد ؒ نے ''الف لام'' کو مرکب کرنے کی وجہ بیان فرمائی مگر باتوں بات میں ہی سب کچھ بتا دیا اور اسرار و حقائق کے رموز و ارشادات کے دریافت و ادراک کی صلاحیت و قابلیت اسی وقت پیدا کر دی، جس کا اثر سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ شریعت میں وہ اگر امام اعظم ابوحنیفہ ؓ کے قدم بقدم ہیں تو طریقت میں حضور پرنور سیدنا غوث اعظم ؓ کے نائب اکرم ہیں۔ آپ نے چار سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کر لیا تھا۔

بچپن کے چند واقعات

اعلیٰ حضرت ؒ کے بچپن کے حالات بہت کم ملتے ہیں۔ تاہم جو چیدہ چیدہ حالات ملتے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ بچپن ہی سے علم و فضل کا گہوارہ تھے۔

1- کاشانۂ اقدس میں جو مولوی صاحب بچوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت بھی انہیں کے پاس کلام اللہ شریف پڑھتے تھے۔ (اس وقت آپ کے دادا جان حضرت مولانا رضا علی خان علیہ الرحمۃ والرضوان بھی زندہ تھے) ایک روز مولوی صاحب حضرت کو کسی آیت کریمہ میں بار بار ایک لفظ بتاتے تھے مگر آپ کی زبان سے نکلتا نہ تھا۔ وہ زبر پڑھاتے اور آپ زیر پڑھتے تھے۔ یہ کیفیت اعلیٰ حضرت کے جد امجد مولانا رضا علی خان ؒ نے دیکھ کر حضرت کو اپنے پاس بلا لیا اور کلام پاک منگوا کر دیکھا تو اس میں کاتب سے اعراب کی غلطی ہوئی تھی یعنی جو اعلیٰ حضرت پڑھتے تھے وہی صحیح تھا۔ حضرت جد امجد نے تصحیح فرما کر آپ سے پوچھا کہ جس طرح استاذ صاحب تمہیں پڑھا رہے تھے اس طرح آپ کیوں نہیں پڑھ

رہے تھے؟ آپ نے فرمایا: حضور میں ارادہ کرتا تھا کہ اسی طرح پڑھوں مگر زبان پر قابو نہ پاتا تھا۔ حضرت جدامجد نے کہا: بہت خوب اور تبسم فرما کر سر پر ہاتھ پھیرا اور شاباش دی۔

2- ایک مرتبہ مولوی صاحب بچوں کو پڑھا رہے تھے کہ ایک بچے نے آ کر سلام کیا۔ مولوی صاحب نے جواب میں کہا: جیتے رہو۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے عرض کیا: حضور! یہ تو سلام کا جواب نہ ہوا۔ وعلیکم السلام کہنا چاہئے۔

جب اس قسم کے واقعات مولوی صاحب کو بارہا پیش آئے تو ایک روز انہوں نے تنہائی میں آپ سے پوچھا۔ او صاجزادے! سچ بتادو میں کسی سے نہیں کہوں گا۔ تم انسان ہو یا فرشتہ؟ آپ نے فرمایا: خدا کا شکر ہے میں انسان ہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم شامل حال ہے۔

3- اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نوعمری کا واقعہ ہے کہ والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ سے اصول فقہ کی دقیق ترین کتاب مسلم الثبوت (مصنفہ مولانا محب اللہ بہاری المتوفی ۱۱۱۹ھ)) پڑھ رہے تھے۔ ایک جگہ حاشیہ پر والد گرامی نے ایک اعتراض کے جواب کی تقریر لکھی ہوئی تھی۔ اب جو دیکھتے ہیں تو اس سے آگے حاشیہ اس انداز سے تحریر کیا گیا ہے کہ سرے سے اعتراض وارد ہی نہ ہوتا تھا اور نہ ہی جواب کی ضرورت رہتی تھی۔ اس تقریر کو دیکھ کر انہیں بے حد مسرت ہوئی اور جب معلوم ہوا کہ یہ حاشیہ ان کے ہونہار صاحبزادے اور شاگرد نے لکھا ہے تو اس قدر مسرور ہوئے کہ اٹھ کر سینے سے لگا لیا اور فرمایا احمد رضا! تم مجھ سے پڑھتے نہیں، بلکہ مجھ کو پڑھاتے ہو۔

کسی نے کیا خوب کہا:

؎ بالائے سرش زہوش مندی
می تافت ستارۂ بلندی

حفظ قرآن مجید کا حیرت انگیز واقعہ

اکثر لوگ جب اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھتے تو آپ کے نام کے ساتھ ''حافظ'' بھی لکھ دیا کرتے تھے۔ اس وقت اعلیٰ حضرت باضابطہ حافظ قرآن نہ تھے اگرچہ قریباً تمام ہی آیات کریمہ حضرت کے زبان وقلم پر رہا کرتی تھیں اور حسب ضرورت ان سے استدلال و استنباط بھی کرتے تھے۔ بجائے اس کے کہ اعلیٰ حضرت لوگوں کو حافظ کا لفظ لکھنے سے منع کرتے، خود قرآن پاک حفظ کرنا شروع کر دیا۔ یکم رمضان المبارک سے آغاز کیا۔ ایک دن میں ایک پارے کا دَور کرتے تھے اور 30 رمضان المبارک کو مکمل قرآن کریم حفظ کر لیا۔

اساتذۂ کرام:

اعلیٰ حضرت کے اساتذہ کرام کے نام یہ ہیں:

۱۔ سید شاہ آلِ رسول ماہروی
۲۔ مولانا نقی علی خان بریلوی
۳۔ مرزا غلام قادر بیگ
۴۔ مولانا عبد العلی رامپوری
۵۔ سید شاہ ابوالحسین نوری مارہروی
۶۔ علامہ احمد زینی دحلان مکی
۷۔ علامہ عبد الرحمٰن مکی
۸۔ علامہ حسین بن صالح مکی

(رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ورضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاھم وافاض علینا من برکاتھم ونعمائھم)

ابتدائی تعلیم مرزا غلام قادر بیگ رحمۃ اللہ علیہ سے پائی۔ اکثر علوم دینیہ، عقلیہ ونقلیہ اپنے والد گرامی حضرت مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھے۔ بعض علوم کی تکمیل مولانا عبد العلی رام پوری، شاہ آلِ رسول مارہروی اور شاہ ابوالحسین مارہروی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے

کی اور جب زیارت حرمین شریفین کیلئے مکہ مکرمہ گئے تو وہاں کے علماء سے بھی استفادہ کیا اور اسناد حاصل کیں۔

جمیع علوم میں مہارت:

14 شعبان المعظم 1286ھ / 1869ء کو 14 برس کی عمر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے درس نظامی کی تمام مروجہ کتب پڑھ کر اسناد و دستار فضیلت حاصل کی۔ آپ جمیع علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے حقائق و شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو 55 علوم پر مکمل عبور حاصل تھا۔

والد ماجد مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ سے درج ذیل 21 علوم پڑھے:

(1) علم القرآن
(2) علم تفسیر
(3) علم حدیث
(4) اصول حدیث
(5) کتب فقہ حنفی
(6) کتب جملہ مذاہب
(7) اصول فقہ
(8) جدل مہذب
(9) علم العقائد والکلام
(10) علم منطق
(11) علم نحو
(12) علم صرف
(13) علم معانی
(14) علم بیان
(15) علم بدیع
(16) علم مناظرہ
(17) علم فلسفہ
(18) علم تکسیر
(19) علم ہیئت
(20) علم حساب
(21) علم ہندسہ

دیگر علوم و فنون اعلیٰ حضرت نے بغیر استاذ کے سیکھے اور نقاد علماء سے ان کی اجازت حاصل کی۔ وہ یہ ہیں:

(24) قرأت
(23) علم تجوید
(24) تصوف
(25) سلوک
(26) اخلاق
(27) اسماء الرجال
(28) سیر
(29) تاریخ
(30) لغت
(31) ادب مع جملہ فنون
(32) ارثماطیقی
(33) جبر و مقابلہ
(34) حساب ستینی
(35) لوگارثمات
(36) علم توقیت
(37) علم الاکر
(38) زیجات
(39) مثلث کروی

(40) مثلث مسطح
(41) ہیئت جدیدہ (انگریزی فلسفہ)
(42) مربعات
(43) علم جفر
(44) علم زائچہ
(45) علم فرائض
(45) نظم عربی
(47) نظم فارسی
(48) نظم ہندی
(49) نثر عربی
(50) نثر فارسی
(51) نثر ہندی
(52) خط نسخ
(53) خط نستعلیق
(54) تلاوت
(55) رسم خط قرآن مجید

عالم اسلام میں بمشکل ہی کوئی ایسا عالم نظر آئے گا جو اس قدر علوم وفنون پر دسترس رکھتا ہو۔ اعلیٰ حضرت نے ان علوم کی نہ صرف تحصیل کی بلکہ ہر علم وفن میں اپنی کوئی یادگار نہ چھوڑی۔ جن علوم وفنون کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے بعض کو فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خود ترک فرمایا اور بعض کو اپنایا۔ اس ترک وقبول پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:

"میں نے اس وقت سے فلسفہ کاولیٰ کو ترک کیا جب میں نے محسوس کیا کہ اس میں سوائے ملمع کاری کے کچھ نہیں۔ اس کی ظلمت اور رنگ ایسا چھا جاتا ہے کہ دین سلب کرلیتا ہے اور ظلمت کی وجہ سے قیامت کا خوف ہلکا ہو جاتا ہے، اس لیے میں نے اپنی ذمہ داریوں پر غور کیا اور ہیئت، ہندسہ، نجوم، لوگارثمات اور فنون ریاضی سے میرا شغف اس لئے نہیں کہ یہ توجہ تو محض تفریح طبع کیلئے ہے۔ اس کے علاوہ اسے وقت کے تعین و تعدیل میں مدد ملتی ہے، جس میں مسلمانوں کو نماز و روزے کے اوقات کی جانچ کیلئے فائدہ ملتا ہے"۔

درس وتدریس:

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کتب درسیہ سے فراغت کے بعد تدریس، افتاء اور تصنیف کی طرف توجہ فرمائی۔ ابتداء میں تدریس کی طرف بہت زیادہ میلان تھا چونکہ بریلی شریف میں اس وقت کوئی مدرسہ نہ تھا اور اگر کوئی تھے بھی تو وہ سب 1857ء کی جنگ آزادی کی نذر ہو چکے تھے۔ انگریزی سازشوں کے علاوہ اہل سنت کے خالص عقائد میں نجدی عقائد کی ملاوٹ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت جاری تھی اور بریلی شریف میں فقط

اعلیٰ حضرت کی ذات واحد طلباء وعلماء کا مرجع تھی، جس کسی کو بھی علمی چشمہ سے فیض یاب ہونا ہوتا وہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آ جاتا۔ ان سب خطرات کو بروقت بھانپ کر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد قدس سرہ نے 1289ھ / 1874ء میں بریلی شریف میں مدرسہ مصباح التہذیب کی بنیاد رکھی، جسے 1322ھ / 1904ء میں ''منظر اسلام'' کا نام دیا گیا۔ جس میں آج تک اسی تاریخی نام سے خدمت دین کا کام پرزور طریقے سے جاری ہے۔

تلامذہ

جب آپ کے فضل وکمال کا شہرہ ہوا تو برصغیر پاک و ہند کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک سے طلباء اس گلستان علوم میں پہنچ کر اپنے دل و روح کو مہکانے لگے اور علوم و فنون کے پیکر بن کر اطراف واکناف میں علم سے دوسروں کو منور کرنے کیلئے پھیل گئے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے چونکہ باضابطہ کسی مدرسے میں مدرس بن کر نہیں پڑھایا جو رجسٹر داخلہ سے طلبہ کا نام معلوم کیا جائے یا فارغ التحصیل طلبہ کا نام رجسٹر فارغ التحصیل سے حاصل کیا جا سکے۔ اس لیے حضور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے جو مشہور ہوئے ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

1- مولانا سلطان احمد خان بہاری
2- سید امیر احمد بریلوی
3- مولانا حسن رضا خان بریلوی
4- مولانا محمد رضا خان بریلوی
5- مولانا حامد رضا خان بریلوی
6- مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی
7- مولانا حافظ یقین الدین بریلوی
8- مولوی نور حسین بریلوی
9- حافظ عبدالکریم بریلوی

10- مولوی نور احمد چاٹگامی
11- مولانا واعظ الدین
12- مولانا ظفر الدین قادری بہاری
13- مولانا سید ایوب علی رضوی
14- مولانا عبدالرشید عظیم آبادی
15- مولانا سید محمد صاحب کچھوچھوی
16- مولانا سید شاہ احمد اشرف
17- مولانا سید غلام محمد بہاری
18- مولوی نواب علی مرزا بریلوی
19- مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی
20- حکیم عزیز غوث بریلوی

تصانیف:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی ؒ کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ 50 علوم و فنون میں آپ کی تصانیف کی تعداد ہزار سے متجاوز ہے۔ تصانیف کی کثرت تعداد کی وجہ سے برصغیر پاک و ہند کے علماء میں آپ خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ آپ نے تفسیر و حدیث، فقہ، عقائد و کلام، ترغیب و ترہیب، سلوک و تصوف، اذکار و اوفاق، تاریخ و سیر، فضائل و مناقب، تکسیر و جفر، صرف و نحو، ادب و لغت، جبر و مقابلہ، ہیئت و ہندسہ، منطق و فلسفہ، توقیت و نجوم، ریاضی، حساب وغیرھا دیگر علوم و فنون میں بے مثل و بے مثال کتب تصنیف فرمائیں۔ علاوہ ازیں سینکڑوں تصنیفات کے علاوہ تفسیر و حدیث اور فقہ کی مشہور و متداول عربی کتب کی شروح اور حواشی کو دیکھا جائے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ذیل میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی ؒ کی تصانیف و توالیف کا نقشہ دیا جاتا ہے۔

شروح وحاشیہ برکتب تفاسیر :6
عقائد : 31
حدیث :11
فضائل ومناقب: 48
فقہ : 150
سلوک : 2
لغت : 4
فرائض : 4
ریاضی و ہندسہ : 6
ارثماطیقی : 3

شروح وحاشیہ برکتب احادیث:36
کلام: 17
اصول حدیث : 2
اذکار : 5
اصول فقہ : 9
اخلاق : 2
تاریخ : 3
توقیت : 6
جفر : 3

شروح وحاشیہ برکتب فقہ:43
تفسیر :7
تجوید : 2
سیر: 3
تصوف: 3
ادب: 6
مناظرہ : 18
ھیئت: 3
ٹتی: 5

رسم خط قرآن مجید، ترغیب وترہیب، جبرومقابلہ، تکسیر وحساب، نجوم و زیجات اور وفق میں ایک ایک کتاب تصنیف فرمائی۔ اور ہنود، آریہ، نصاریٰ، ندوہ، نیچریہ، قادیانیہ، اسماعیل دہلوی، نانوتوی، گنگوہی، تھانوی، نذیر حسین، غیرمقلدین، وہابیہ، روافض، نواصب، مفسقہ، متصوفہ اور تفضیلیہ وغیرہ کے رد میں 250 کے قریب کتب تصنیف فرما کر شاتمان رسالت کی زبانوں اور مونہوں پر مہر سکوت ثبت کر دی اور ہر سمت نعرۂ رسالت سے گونج اٹھی۔

گویا جتنا کام پوری جماعت نہ کرسکتی تھی وہ تنہا اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کردکھایا۔ آپ نے بعض پیش آمدہ مسائل جدیدہ کا حل بڑے محققانہ انداز میں کیا۔ اختلافی مسائل کا فیصلہ ایسے دلائل کی روشنی میں کیا کہ مخالفین کو دم مارنے کی مجال اور موافق کیلئے دلائل میں اضافے کی گنجائش باقی نہ چھوڑی۔ جس موضوع پر آپ نے قلم اٹھایا، دلائل و براہین کے انبار لگا دیئے، آپ کسی بھی مسئلہ پر طائرانہ نظر ڈالنے کی بجائے بحث و تحقیق کی انتہاء کو پہنچتے تھے مسائل کی تنقیح وتفصیل پر آتے تو دریا کی روانی اور سمندر کی وسعت

کا نقشہ نظر آتا۔ فقہائے متقدمین کے اقوال مختلفہ میں تطبیق دیتے تو یوں محسوس ہوتا کہ اختلاف تھا ہی نہیں۔ الغرض

علم و عرفاں کے خزائن ہیں رسائل آپ کے
نور ایماں سب کے اندر بھر دیا پائندہ باد

اعلیٰ حضرت کے تین علمی شاہکار

1- کنزالایمان:

ایک انسان اپنی دماغی کوششوں اور کاوشوں سے بلند پایہ مصنف وقابل صد افتخار ادیب تو بن سکتا ہے۔ اپنی ذاتی قابلیت و علمیت کے زور سے اردو، عربی، فارسی، انگریزی وغیرہ مختلف زبانوں کا ماہر تو ہوسکتا ہے۔ اپنے ذہن ثاقب ورائے صائب کی تیزی سے صرف ونحو، معانی و بیان، تاریخ و فلسفہ اور عقائد و کلام کا ماہر تو بن سکتا ہے لیکن قرآن مجید فرقان حمید برہان رشید کا مترجم بننا، تو یہ اس کے بس کی بات نہیں۔

یوں تو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علمی کارناموں کی تفصیل بہت طویل ہے لیکن ان میں ایک اعلیٰ ترین علمی کارنامہ ترجمۂ قرآن کریم الموسوم بہ "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" ہے۔ ترجمہ کیا ہے، سبحان اللہ! قرآن حکیم کی اردو میں ترجمانی ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ آپ کا یہ ترجمہ الہامی ترجمہ ہے تو کچھ غلط نہ ہوگا۔

ایک زبان سے دوسری زبان میں لفظی ترجمہ کر دینا کوئی مشکل بات نہیں بلکہ یہ بہت ہی معمولی اور آسان کام ہے۔ کسی بھی درخواست کا لفظی ترجمہ تو عرائض نویس بھی فوراً کر دیتے ہیں مگر کسی زبان کی فصاحت و بلاغت، سلاست و معنویت، اس کے محاورات اور انداز تخاطب کو سمجھنا، سیاق و سباق کو دیکھ کر کلمہ اور جملہ کی ترجمانی کرنا انتہائی دقت طلب کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی تشریح خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی اور اس کی تفسیر آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان کی۔

یوں تو اُردو زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ کتنے ہی علماء نے کیا ہے، جن میں

مولوی محمود الحسن دیوبندی، مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی فتح محمد خان جالندھری، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، عبدالماجد دریا آبادی اور ابوالاعلیٰ مودودی وغیرہ کے تراجم پاک و ہند میں آج کل بڑی آب و تاب سے شائع ہو رہے ہیں اور ان کے حضرات کو کلام الٰہی کی ترجمانی کے علمبردار منوانے کی بھرپور سعی کی جا رہی ہے لیکن انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو ان حضرات نے اپنے اپنے مخصوص خیالات کو ترجمے کی آڑ میں قرآن کریم سے ثابت کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا۔ مسلمانان اہل سنت و جماعت کو قرآنی خدمت کے نام پر اپنے اپنے دھڑے کی طرف کھینچنے اور اپنا معتقد بنانے کی ایک چکنی چپڑی جسارت ہے اور اگر کسی لفظ یا آیت کا ترجمہ اپنی ایمانداری سے کیا بھی ہے تو اس کے مشہور معنیٰ کے مطابق کر دیا گیا ہے[۵]۔ حالانکہ ہر زبان میں کسی بھی لفظ کے بہت سے معانی ہوتے ہیں۔ ان مختلف معانی میں سے کسی ایک مناسب معنیٰ کا انتخاب مترجم کی ذمہ داری ہے، جو اعلیٰ حضرت ہی کا حصہ ہے۔ کنز الایمان شریف کو پڑھ کر کوئی انصاف پسند یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ترجمہ قرآں کا لکھا، کنز ایماں کر دیا
اے مفسر! واقفِ رمزِ خدا، پابندہ باد

دور حاضر میں اردو کے شائع کردہ تراجم میں صرف ایک ترجمہ ”کنز الایمان“ ہے جو قرآن پاک کا صحیح ترجمان ہونے کے ساتھ ساتھ شان الوہیت کا پاسبان ہے، عظمت نبوت کا محافظ ہے، شان رسالت کا علمبردار ہے، تفاسیر معتبرہ قدیمہ کے مطابق و موافق ہے، اہل تفویض کے مسلک اسلم کا عکاس ہے، اصحاب تاویل کے مذہب سالم کا مدید ہے۔ زبان کی روانی اور سلاست میں بے مثل ہے، عوامی لغات اور بازاری بولی سے یکسر پاک ہے، قرآن حکیم کی اصل منشاء و مراد کو بتاتا ہے، آیات ربانی کے انداز خطابت تک پہنچاتا ہے، قرآن مجید کے مخصوص محاوروں کی نشان دہی کرتا ہے، قادر مطلق کی ردائے عزت و جلال میں نقص و عیب کا دھبا لگانے والوں کیلئے شمشیر براں ہے، حضرات انبیائے کرام کی عظمت و حرمت کا محافظ و نگہبان ہے، عامۃ المسلمین کیلئے بامحاورہ اردو

میں سادہ ترجمہ ہے لیکن علماء و مشائخ کیلئے حقائق و معارف کا امنڈتا ہوا سمندر ہے۔ بس اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن حکیم قادر مطلق جل جلالہٗ کا مقدس کلام ہے اور کنزالایمان اس کا مہذب ترجمان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کنز الایمان شریف پڑھنے والے کی نگاہ میں جہاں قرآن حکیم اور شان الوہیت کا احترام ہوتا ہے وہاں انبیائے کرام کی عظمت و عصمت اور انسانیت کا وقار بھی بلند ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ قرآن کریم کس طرح عالم وجود میں آیا' اس کی تفصیل اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح نگار مولانا بدرالدین احمد رضوی کی زبانی سنیے:

> "صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کے صحیح ترجمہ کی ضرورت پیش کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت سے ترجمہ کردینے کی گزارش کی۔ آپ نے وعدہ فرمالیا۔ لیکن دوسرے مشاغل دیرینہ کثیرہ کے ہجوم کے باعث تاخیر ہوتی رہی جب حضرت صدر الشریعہ کی جانب سے اصرار بڑھا تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا چونکہ ترجمہ کیلئے میرے پاس مستقل وقت نہیں ہے اس لیے آپ رات میں سونے کے وقت یا دن میں قیلولہ کے وقت آجایا کریں۔ چنانچہ حضرت صدر الشریعہ ایک دن کاغذ' قلم اور دوات لے کر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور یہ دینی کام بھی شروع ہوگیا۔

ترجمہ کا طریقہ یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت زبانی طور پر آیات کریمہ کا ترجمہ بولتے جاتے اور صدر الشریعہ اس کو لکھتے رہتے لیکن یہ ترجمہ اس طرح نہیں تھا کہ آپ پہلے کتب تفسیر و لغت کو ملاحظہ فرماتے بعدہٗ آیت کے معنی کو سوچتے پھر ترجمہ بیان کرتے بلکہ آپ قرآن مجید کا فی البدیہہ برجستہ ترجمہ زبانی طور پر اس طرح بولتے جاتے جیسے کوئی پختہ یادداشت کا حافظ اپنی قوت حافظہ پر بغیر زور ڈالے قرآن شریف روانی سے پڑھتا جاتا ہے۔ پھر جب حضرت صدر الشریعہ اور دیگر علمائے حاضرین اعلیٰ حضرت کے

ترجمے کا کتب تفاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ برجستہ فی البدیہہ ترجمہ تفاسیر معتبرہ کے بالکل مطابق ہے الغرض اسی قلیل وقت میں یہ ترجمہ کا کام ہوتا رہا۔ پھر وہ مبارک ساعت بھی آ گئی کہ حضرت صدر الشریعہ نے اعلیٰ حضرت سے قرآن مجید کا مکمل ترجمہ کروالیا اور آپ کی کوشش بلیغ کی بدولت دنیائے سنیت کو کنز الایمان کی دولت عظمیٰ نصیب ہوئی۔“

عالم میں شہرہ ہو گیا ”کنز الایمان“ کا
اک بہترین ترجمہ ہے یہ قرآن کا
ہر لفظ اس کا روح معانی میں بے مثال
ذیشان ترجمان ہے عربی زبان کا
پڑھ پڑھ کے اس کو وجد میں آنے لگے ہیں لوگ
”شاہکار“ کیا حسین ہے اردو زبان کا
حاصل ہے اس کو سارے تراجم میں امتیاز
نکھرا ہوا ہے لعل بحر بے کران کا
عشق جناب مصطفیٰ کا درس تابناک
معیار اس کے ذوق کا ذوق بیان کا
اور اب تو بزم ورزم سے اٹھنے لگی صدا
عالم رضا ہے منفرد علم القرآن کا
پہلے جو مضطرب تھے اب بوکھلا گئے
چرچا ہوا رضا کے جو حسن بیان کا

(نتیجہ فکر: کیپٹن حافظ محمد بشیر ساگری (ریٹائرڈ)، جہلم)

2- فتاویٰ رضویہ

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک بلند پایہ مفسر، مایہ ناز محدث، نادر روزگار متکلم اور عدیم النظیر فقیہ تھے اور اس پر طرہ یہ کہ کتنے ہی علوم وفنون میں آپ کو درجۂ امامت

حاصل تھا لیکن سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے اس سچے وارث نے بھی امام المسلمین کی طرح فقہ کو اپنا خصوصی میدان قرار دیا تھا۔ اسی لیے آپ کا اعلیٰ ترین علمی و تحقیقی شاہکار فتاویٰ رضویہ ہے۔ اس کا پورا نام بھی اس فنافی الرسول ہستی نے وہی تجویز کیا، جو حقیقت کا آئینہ دار ہے یعنی ''العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ'' یہ ان فتاویٰ جات کا مجموعہ ہے، جو آپ نے اپنی پچاس سالہ علمی و تحقیقی زندگی کے دوران جاری کیے تھے۔ بعض فتوے تو تحقیق و تدقیق کے اس اعلیٰ مقام پر فائز ہیں کہ آپ کے وہ معاصر جنہیں فقاہت میں حرف آخر سمجھا جاتا تھا، جب آپ کے فتاویٰ جات ان کی نظروں سے گزرے تو فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ میں انہوں نے خود کو طفل مکتب شمار کیا اور آپ سے کسب فیض کو غنیمت جانا۔

؎ اس زمانے میں بتائے تو کوئی ایسا فقیہ
اس قدر جس میں ہو وہ ہے کون نبیہ

بعض مسائل پر داد تحقیق دیتے ہوئے جب آپ نے بارہ سو سالہ فقہی ذخیروں کو کھنگال ڈالا، امام الائمہ، سراج الامہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے لے کر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تک تحقیق کو پہنچایا، ہر دور میں اسے جن لفظوں میں بیان کیا گیا، کسی سے کوئی کمی بیشی ہوئی تو اس کا ذکر، ساتھ ہی وجوہات کہ ایسا کیوں ہوا؟ کون سا موقف اقرب الی الحق ہے اور کن دلائل کے تحت، غرضیکہ اس انداز سے میدان فقاہت میں داد تحقیق دیتے چلے گئے کہ دنیائے اسلام کے مایہ ناز علمی فرزندوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور آسمان فقاہت کے شمس و قمر سمجھے جانے والے حضرات آپ کی تحقیقات جلیلہ اور مجتہدانہ بصیرت کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے۔ آپ سے اختلاف رکھنے والے تو بیشمار ہیں لیکن شاید ایسا ایک بھی معاند اہل علم میں نہ مل سکے، جو آپ کی عدیم النظیر فقاہت کا منکر ہو۔ ان حقائق کے پیش نظر بے اختیار کہنا پڑتا ہے:

ہے فتاویٰ رضویہ تیرے قلم کا شاہکار
سربسر فضلِ خدا، نبوی عطا، پائندہ باد

حضرت مولانا غلام جان چودھپوری ؒ، اعلیٰ حضرت ؒ کو فتاویٰ رضویہ کے عظیم الشان علمی کارنامے کی تکمیل پر یوں ہدیۂ تحسین پیش کرتے ہیں:

بارہ جلدوں میں ہوا جمع فتاوائے رضا
ہیں ضمائم بھی کئی اتنے مجلد اس کے سوا
ہر مجلد ہے ضخامت میں بڑا سا دفتر
ہر ضمیمہ ہے توسط کے کتب سے بڑھ کر
ہر مجلد میں ہیں مرقوم مسائل صدہا
نور تحقیق و ہدایت سے منور جملہ
کل فتاویٰ میں اگر دیکھو تو ہیں چند ہزار
ہے ہر اک رنگ کا ہر پھول مثال گلزار
یعنی ہر علم کے ہر فن کے ہزاروں فتویٰ
پھر کئی ایک زبانوں کے ہیں اس میں جلوے
پھر نہ کس طور گلستان شریعت ہو یہ
پھر نہ کس بات سے بستان ہدایت ہو یہ
سینکڑوں ایسے بھی ہیں اس میں مسائل مرقوم
غیر میں آ کے وجود اُن کا ہے بالکل معدوم
اک صفت اور بھی یہ ہے کہ حوائج دین کے
اس فتاویٰ ہی سے ہو جاتے ہیں اکثر پورے
یہ وہ استاد ہے جو ہو گیا شاگرد اس کا
تھوڑی مدت میں بنایا اسے اہل افتا
یہ وہ خرمن ہے کرے جو کوئی خوشہ چینی
ہے نہیں اس میں کوئی راہ کمی پانے کی

اختلافات ائمہ پہ خبردار کرے
متفق قول بتا کر تمہیں ہوشیار کرے

اس سے مل جاتی ہے دم بھر میں رہِ حق وصواب
یہ وہ قائد ہے کہ لے جاتا ہے منزل پہ شتاب

جاہل شرع کو کر دیتا ہے عالم فاضل
عالم دین کو بناتا ہے فقیہ کامل

اس فتاویٰ کی صفت مجھ سے ہو کس طور عیاں
خامہ عاجز ہے زباں گنگ کروں کیسے بیاں

اس سے بڑھ کر نہیں دنیا میں ہے خیر جاری
اس سے خوشنود خدا اور رسول باری

3-حدائق بخشش:

حدائق جس نے بخشش کے بسائے جب نبوی سے
مدینے کا وہ بلبل، طوطی نغمہ سرا تم ہو

اعلیٰ حضرت کا تیسرا شاہکار ''حدائق بخشش'' ہے، جو آپ کا اردو میں نعتیہ دیوان ہے یعنی اس سچے عاشق رسول نے اپنے محبوب کے اوصاف کلام الٰہی میں دیکھے اور انہیں اپنے الفاظ میں بیان کر کے اپنے قلب مضطر کو تسکین دی۔ مسلمانوں کو سکون بخشا۔ راحت افزاء نسخہ بتایا۔ محبوب کی صفت وثناء بیان کرتے وقت قلب کا اضطراب، جگر کا سوز، آنکھوں کے آنسو اور سینے کی آہیں بھی الفاظ کے جسم میں پیوست کر کے پھر بلبل باغ مدینہ بن کر گایا۔ اس نے اپنے ان پیارے پیارے اور ایمان افروز نغموں سے اہل اسلام کے قلوب کو گرمایا اور لصوص دین کے نرغے سے نکال کر اپنے اور ساری کائنات کے آقا و مولیٰ، سرور کون ومکاں ﷺ کے در اقدس پر جھکایا۔ کیونکہ

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

آپ کی نوک قلم بلکہ گہرائی قلب سے نکلا ہوا ہر مصرعہ حضور ﷺ سے بے پایاں عقیدت ومحبت کی شہادت دیتا ہے اور ہر شعر میں عشق مصطفیٰ ﷺ کا ایک سمندر موجزن ہے۔ آپ کے کلام میں فصاحت و بلاغت، عشق و سرمستی، احترام نبوت، عظمت سید عالم ﷺ کا اظہار ایک ایک حرف سے ہوتا ہے۔ اس کی ایک مثال آپ کا شہرۂ آفاق سلام بحضور رحمت عالم ﷺ

"مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام" ہے

آج بھی مساجد اور دینی محافل میں ذوق وشوق سے پڑھا جاتا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک پڑھا جاتا رہے گا۔

اعلیٰ حضرت بحیثیت عظیم المرتبت عالم:

یوں تو ایشیا کی سرزمین پر ایک سے ایک بالغ نظر علماء، باکمال افاضل، ژرف نگاہ مفکرین اور دیدہ ور محققین پیدا ہوئے، جن کے گرانقدر کارناموں کے لافانی نقوش تاریخ کے صفحات پر نقش ہیں۔ علم وفضل کے متعدد شعبوں میں ان کی حذافت ومہارت ہر ایک کو مسلم ہے اور بڑے بڑے ارباب دانش ان کی بارگاہ رفعت و عظمت کے آگے جبینِ نیاز جھکانے پر مجبور نظر آتے ہیں لیکن ایسی متعدد الجہات شخصیات، جو بیک وقت پچاسوں علوم وفنون کی شناور واد اشناس ہوں، ادھر کئی صدیوں میں مشکل ہی سے نظر آئیں گی اور ایسی عبقری ہستیوں کی صف میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات اپنی چند در چند صفات کی بدولت ایک نمایاں اور منفرد مقام کی حامل ہے۔ آپ ذرا غور فرمائیں اور نگاہ حقیقت سے دیکھیں کہ جس کے بچپن کا یہ عالم ہو کہ چھ سال کی عمر ہو تو ایک بڑے مجمع کے سامنے "میلاد النبی ﷺ" کے موضوع پر تقریر کر کے مجمع کو حیرت میں ڈال دے۔ آٹھ سال کی عمر ہو تو فن نحو کی مشہور ومعروف کتاب "ہدایۃ النحو" کی شرح بزبان عربی کر ڈالے۔ دس سال کی عمر ہو تو "مسلم الثبوت" کی تحقیقی شرح لکھ ڈالے۔ چودہ سال کی عمر ہو تو تمام علوم مروجہ درسیہ سے فارغ ہو کہ سند فراغت اور

دستار فضیلت حاصل کر لے اور اسی دن رضاعت کے مسئلہ سے متعلق قلم اٹھائے تو تحقیقات رفیعہ اور تدقیقات بدیعہ کے ذخائر موجیں مارنے لگیں، پھر جب یہ فتویٰ منظر عام پر آیا تو بڑے بڑے علماء وفضلاء انگشت بدنداں رہ گئے۔

اللہ تعالیٰ کا آپ پر خاص فضل و کرم تھا اور حضور نبی کریم رؤف رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم کی کچھ خاص ہی نظر رحمت تھی ورنہ اتنی کم عمر میں اتنے معرکۃ الآرا کام سرانجام دینا کوئی معمولی بات نہیں۔ اسی لیے فرمایا:

؎ اے رضا! یہ احمد نوری کا فیض نور ہے

آپ تقریباً 55 علوم وفنون میں یکتائے زمانہ فاضل تھے بلکہ کئی علوم تو ایسے ہیں کہ جن میں آپ منصب امامت پر فائز تھے اور کئی علوم تو وہ ہیں، جو آپ کے ساتھ ہی دفن ہو گئے اور ان میں مہارت رکھنا تو دور کی بات، ان سے ادنیٰ سی واقفیت رکھنے والا بھی روئے زمین پر کوئی نظر نہیں آتا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً ہر فن میں کوئی نہ کوئی تصنیف فرمائی اور ہر فن میں قیمتی تحقیقات کا اضافہ کیا۔ جس موضوع پر قلم اٹھایا تو لکھنے کا حق ادا کر دیا۔ وہ داد تحقیق دی کہ مایہ ناز علمی ہستیاں بھی بھڑک اٹھیں اور تازیست رضوی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتی رہیں۔

الغرض اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عدیم النظیر تحقیقات و تدقیقات کا بنظر غور مطالعہ کیا جائے تو ہر انصاف پسند انسان آپ کی عبقریت کا قائل ہو جائے گا اور آپ کو دل سے ''ایشیا کا محقق اعلم'' اور ''چودھویں صدی کا مجدد اعظم'' قرار دے گا اور شرق تا غرب نیز ماضی تا حال ارباب علم و دانش اور جامع صفات علماء و افاضل کی بزم حکمت و دانائی میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایک ممتاز اور نمایاں ترین مقام کے حامل نظر آئیں گے، جن کی ذات ایسی متنوع اور متعدد الجہات ہے کہ ہر فن کے طالب کو اس کی تسکین قلب کا سامان میسر آ جاتا ہے اور فکر ونظر نیز قلب و روح سب اس آب حیوان سے سیراب اور شادکام واپس نہیں پلٹتے ہیں۔

؎ وارث علم پیمبر، نائب غوث الوریٰ
محی دین و فخر ملت، مرحبا پایندہ باد

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مجلس (بدھ 6 اکتوبر 1971ء) میں فرمایا "میں اعلیٰ حضرت کے ایک رسالہ عطایا القدیر فی حکم التصویر سے بہت متاثر اور مستفید ہوا۔ یہ رسالہ مجھے صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے عطا کیا۔ چونکہ میری طالب علمی دیوبندی مکتب فکر کے اساتذہ سے متاثر تھی۔ اس لیے میرے ذہن میں یہی بات بیٹھی ہوئی تھی کہ علمی تحقیق صرف علمائے دیوبند کی تالیفات میں ملتی ہے۔ جب میں نے مذکورہ رسالے کا مطالعہ کیا تو اس کے لکھنے والے کے تبحر علمی اور دقت نظر کے کمال کا گرویدہ ہو گیا۔ سچ یہ ہے کہ اس ایک رسالے نے میری ذہنی اور اعتقادی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا"۔

کسی نے کیا خوب کہا:

پچھلوں نے تو لکھا ہے بہت علم دین پر
جو کچھ ہے اس صدی میں وہ تنہا رضا کا ہے

علوم قرآن وحدیث:

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو علومِ دینیہ میں بے پناہ مہارت حاصل تھی۔ خصوصاً قرآن و حدیث وفقہ میں تو آپ کو بلا کا کمال حاصل تھا۔ علم تفسیر میں آپ کا یہ مقام تھا کہ ایک مرتبہ آپ نے سورۃ الضحیٰ کی تفسیر لکھنا شروع کی تو اَسی جزو (چھ سو سے زائد صفحات) رقم فرمادیے اور فرماتے تھے کہ اتنا وقت کہاں سے لاؤں کہ پورے قرآن پاک کی تفسیر لکھ سکوں اور ایک مرتبہ اسی سورۂ مبارکہ پر مسلسل چھ گھنٹے تقریر فرماتے رہے۔ قرآن فہمی کیلئے جن علوم کا ہونا ضروری ہے، ان پر آپ کو گہرا عبور تھا۔ شان نزول، ناسخ ومنسوخ، تفسیر بالحدیث، تفسیر صحابہ اور استنباط احکام کے اصول سے پوری طرح باخبر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک کے مختلف تراجم کو سامنے رکھ کر مطالعہ کیا جائے تو منصفِ حق گو کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمۂ قرآن کنزالایمان سب سے بہتر ترجمہ ہے، جس میں شان الوہیت کا احترام بھی ملحوظ خاطر ہے اور عظمت نبوت و رسالت کا تقدس بھی پیش نظر ہے، آپ نے چھ تفاسیر پر حواشی لکھے

اور علم تفسیر میں چھ کتب تحریر فرمائیں۔

علم حدیث اور اس کے متعلقات پر آپ گہری نظر رکھتے تھے۔ طرق حدیث، مشکلات حدیث، ناسخ و منسوخ، راجح و مرجوح، طرق تطبیق، وجوہ استدلال اور اسماء الرجال، یہ سب امر انہیں مستحضر تھے۔

حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ''علم الحدیث کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جتنی احادیث فقہ حنفی کی ماخذ ہیں، ہر وقت پیش نظر اور جن احادیث سے فقہ حنفی پر بظاہر زد پڑتی ہے، ان کی روایت و درایت کی خامیاں ہر وقت از بر ہوتیں۔ علم الحدیث میں نازک ترین شعبہ اسماء الرجال کا ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کی جرح و تعدیل کے جو الفاظ فرما دیتے تھے، اٹھا کر دیکھا جاتا تو تقریب و تہذیب اور تذہیب میں وہی لفظ مل جاتا تھا۔ اس کو کہتے ہیں علم راسخ اور علم سے شغف کامل اور مطالعہ کی وسعت''۔ (مقالات یوم رضا 41/1)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تخریج احادیث کے آداب پر ایک رسالہ الروض البہیج فی آداب التخریج لکھا۔ مولوی رحمٰن علی اس رسالہ مبارکہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''اگر اس سے قبل اس فن میں کوئی کتاب نہیں ملتی تو مصنف کو اس فن کا موجد کہہ سکتے ہیں۔'' (تذکرہ علمائے ہند 100)

آپ نے تقریباً 42 کتب حدیث پر شروح و حواشی لکھے، اصول حدیث پر دو اور علم حدیث پر گیارہ کتب تصنیف فرمائیں۔

(مزید تفصیل کے لئے کتاب امام احمد رضا اور علم حدیث مصنفہ مولانا محمد عیسیٰ قاری رضوی (مطبوعہ: شبیر برادرز، لاہور) ملاحظہ فرمائیں۔)

اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام:

؎ فقیہِ اعظم ہندوستان ''احمد رضا'' تم ہو
مقام فقہ میں عرش آستاں ''احمد رضا'' تم ہو

فقہی لحاظ سے اہل سنت و جماعت کے چاروں مذاہب حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی برحق ہیں کیونکہ چاروں ائمہ دین مجتہدین نے قرآن وحدیث کے فرمودات عالیہ کو خوب سمجھا، دوسروں سے بہتر سمجھا اور مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ ان چاروں سے منہ موڑ کر اپنی گاڑی چلانے والا ہرگز ہرگز صراط مستقیم پر گامزن نہیں ہوسکتا۔ ان چاروں میں سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 150ھ/ 767ء) کو بالاتفاق تمام ائمہ وفقہاء نے امام اعظم تسلیم کیا ہے۔

یوں تو چاروں فقہی مذہب حق وصداقت پر مبنی اور صراط مستقیم پر کاربند ہیں لیکن قرآن وحدیث کے حقیقی مفہوم ومعانی سے مذہب حنفی کو زیادہ قرب حاصل ہے اور یہ مذہب اپنے اصول وفروع میں دیگر مذاہب سے ممتاز ہے۔ فقہائے احناف کے علمی کارنامے سرمایۂ ملت کا ایک معتدبہ حصہ ہیں۔ ماضی قریب میں احناف کے مایہ ناز فقیہ علامہ سید محمد امین بن عمر عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 1252ھ/ 1836ء) میدان فقاہت کے ایسے شہسوار ہوئے ہیں کہ گزشتہ دور میں ان کی نظیر نظر نہیں آتی۔ علامہ موصوف نے ردّالمحتار کے نام سے درمختار شرح تنویرالابصار کی شرح لکھی، جو فقہ میں ان کی علمی وسعت، دقت نظر اور بلند پروری کا منہ بولتا ثبوت ہے، جس کے باعث دنیا کی علمی ہستیوں نے علامہ شامی کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

گزشتہ صدی میں امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جد المتار کے نام سے ردّ المحتار کی شرح بزبان عربی پانچ ضخیم جلدوں میں لکھی، جسے دیکھ کر کوئی منصفِ صادق اور صاحب نظر انسان یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ واقعی فقہ میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔ آپ فقہی دنیا کے بے تاج بادشاہ تھے۔ فتاویٰ رضویہ آپ کی علمی تحقیقات کا گنجینہ ہے اور فقہ اسلامی پر آپ کا بہت بڑا کارنامہ ہے، جو آپ

کے مجتہدانہ کمال کا منہ بولتا ثبوت ہے، جسے پڑھ کر ہی معلوم ہو سکتا ہے کہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا فقہ اور دیگر علومِ دینیہ میں کیا مقام تھا۔

شرح فقہ بوحنیفہ ہے فتاویٰ آپ کا
ہے یہ فضل حق، نبی کی عطا پابندہ باد

☆ صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میری نظر میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات علامہ شامی کی تحقیقات سے کئی درجہ بلند ہیں''۔

☆ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری (جج سپریم کورٹ آف پاکستان، شریعت بنچ) لکھتے ہیں:

> ''علوم دینیہ، فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ میں آپ کو جو عدیم النظیر مہارت حاصل تھی، اس میں تو کسی کو کلام نہیں۔''

(سہ ماہی مجلہ جمال کرم، لاہور شوال تا ذوالحج 1425ھ)

☆ شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''تدقیقات فقہیہ وتحقیقات حدیثیہ اس بلند پائے کی تھیں کہ میں نے خود دیکھا کہ میرے وہابی استادوں کے سامنے جب فقہ یا حدیث کا کوئی نا منقح مشکل مسئلہ آ جاتا تو حضور پرنور اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ کے رسائل مبارکہ کی طرف رجوع کر کے انہی میں دیکھ دیکھ کر اپنی مشکلات آسان کراتے۔

ایک مرتبہ میں نے کہا کہ آپ لوگوں کے کہنے کے مطابق تو یہ شخص بدعتیوں کا سردار ہے اور دیوبندی عالموں کو کافر کہتا ہے اور اپنے مریدوں کے سوا کسی کو مسلمان نہیں سمجھتا، پھر آپ لوگ ایسے شخص کی کتابیں کس لیے دیکھتے ہیں؟ جواب دیا کہ اس شخص میں صرف اتنا ہی عیب ہے کہ ہمارے اکابر کو کافر کہتا ہے ورنہ فقہ وحدیث وغیرہا تمام علوم دینیہ میں ہندوستان بھر کے اندر اس کے برابر اور اس کے جوڑ کا کوئی شخص نہیں۔ ہم لوگ اگرچہ اس شخص کے مخالف ہیں پھر بھی اس شخص کے علمی دلائل وتحقیقات کے محتاج

ہیں"۔ (ملخصاً ترجمان اہل سنت، کانپور)

؎ فقہ کی چاندی میں تیری ضیا مسلم
بدمذہبوں کے رد میں تیا عصا مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

فتویٰ نویسی:

جس دن اعلیٰ حضرت نے سند فراغت حاصل کی اسی دن مسئلہ رضاعت کے متعلق ایک فتویٰ لکھ کر اپنے والد گرامی کی خدمت میں پیش کیا، جو ایسا صحیح تھا کہ جس کو دیکھ کر مفتیان کہن دنگ رہ گئے۔ اسی دن سے دارالافتاء کا نظام آپ کے سپرد کر دیا گیا، اس دن سے آخر عمر تک مسلسل فتویٰ نویسی کا فریضہ انجام دیتے رہے اور فتاویٰ رضویہ کی ضخیم بارہ جلدوں کا گراں قدر سرمایہ امت مسلمہ کو دے گئے۔ آپ کے فتاویٰ جات کے مطالعے سے آپ کے تبحر علمی، وسعت مطالعہ، قوت استدلال، اصابت رائے اور اجتہادی بصیرت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

"ردّ وہابیہ اور افتاء، یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے، ان میں بھی طبیب حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے، میں بھی ایک حاذق طبیب کے مطب میں سات برس بیٹھا، مجھے وہ وقت، وہ دن، وہ جگہ، وہ مسائل اور جہاں سے وہ آئے تھے، اچھی طرح یاد ہیں، میں نے ایک بار ایک نہایت پیچیدہ حکم بڑی کوشش و جانفشانی سے نکالا اور اس کی تائیدات مع تنقیحات آٹھ ورق میں جمع کیں، مگر جب حضرت والد ماجد قدس سرہ کے حضور میں پیش کیا تو انہوں نے ایک جملہ ایسا فرما دیا کہ اس سے یہ سب ورق ردّ ہو گئے، وہی جملے اب تک دل میں پڑے ہوئے ہیں اور قلب میں اب تک اس کا اثر باقی ہے"۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

"میں نے فتویٰ دینا شروع کیا اور جہاں میں غلطی کرتا حضرت (والد ماجد) قدس

سرہ اصلاح فرماتے، اللہ عزوجل ان کے مرقدِ پاکیزہ کو معطر فرمائے، سات برس کے بعد مجھے اذن فرمادیا کہ اب فتویٰ لکھوں اور بغیر حضور کو سنائے سائلوں کو بھیج دیا کروں مگر میں نے اس پر جرأت نہ کی۔ یہاں تک کہ رحمٰن عزوجل نے حضرت والا کو ذی قعدہ 1297ھ میں اپنے پاس بلالیا"۔

ایک واقعہ ملاحظہ ہو جس سے آپ کی افتاء نویسی میں کمال قابلیت ظاہر ہوتی ہے:

"مولوی عبدالحی لکھنوی صاحب سے سوال ہوا کہ جس مکان میں جانور ہو، کوئی آدمی نہ ہو۔ وہاں جماع جائز ہے یا نہیں؟ مولوی صاحب نے اس کا جواب لکھا کہ ناجائز ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مولوی صاحب کے اس فتوے کا جواب لکھا کہ اس جواب سے لازم آیا کہ مکان سے تمام مکھیوں کو نکالے، چارپائیاں کھٹملوں سے صاف کرے اور یہ تکلیف مالایطاق ہے حالانکہ فقہاء تصریح فرماتے ہیں کہ جو بچہ سمجھتا اور دوسروں کے سامنے بیان کرسکتا ہو۔ اس کے سامنے جماع مکروہ ہے ورنہ حرج نہیں۔ تو جب ناسمجھ بچے کے سامنے جائز ہے حالانکہ آدمی ہے۔ جانور کے سامنے کیوں ممانعت؟"

فن میراث کا ایک مسئلہ جسے حضرت مولانا مفتی سراج احمد خانپوری (سابقہ دیوبندی) نے دیوبند، سہارنپور، دہلی وغیرہ کے علماء کے پاس حل کے لئے بھیجا مگر کہیں سے تسلی بخش جواب نہ ملا۔ لیکن امام احمد رضا کے پاس وہی سوال جب انہوں نے بھیجا تو ایک ہفتہ میں اس کا جواب آگیا جس کے بارے میں ان کا تاثر یہ ہے کہ

> "اس جواب کے دیکھنے کے بعد میرا اندازِ فکر یکسر بدل گیا اور ان (امام احمد رضا) کے متعلق ذہن میں جمائے ہوئے تمام خیالات کے تاروپود بکھر گئے۔ ان کے رسائل اور دیگر تصانیف منگوا کر پڑھے تو مجھے محسوس ہوا کہ میرے سامنے سے غلط عقائد ونظریات کے سارے حجابات آہستہ آہستہ اٹھ رہے ہیں۔"

اعلیٰ حضرت فقہ دین میں بھی امام عصر تھے
اس حقیقت پر ہیں شاہد ان کے فتوے دیکھیے!

شاعری:

یہی کہتی ہے بلبل باغِ جناں
کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہ ہندی
مجھے شوخی طبع رضا کی قسم!

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ عربی، فارسی، اردو اور ہندی شاعری میں مسند امامت پر رونق افروز ہیں۔ آپ نے نعت گوئی میں مقام ادب کو ملحوظ رکھا ہے، کیونکہ عام شاعری اور نعتیہ شاعری میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ ایسا مشکل اور پرپیچ راستہ ہے کہ اگر حد اعتدال سے بڑھ جائے، تو شرک کا احتمال ہوتا ہے اور اگر پیچھے ہٹے، تو تنقیص رسالت کا مرتکب ٹھہرتا ہے۔ دونوں باتیں آدمی کو جہنم کی طرف لے جاتی ہیں۔ بہت سے شعرائے کرام نعت گوئی میں ٹھوکر کھا گئے، لیکن اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا کلام میزان شریعت پر تلا ہوا ہے، اس لیے کہ آپ نے بقول خود قرآن سے نعت گوئی سیکھی ہے، فرماتے ہیں:

قرآں سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے، جس کو لوگ نہایت آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت تک پہنچتا ہے اور اگر کمی کرتا ہے، تو تنقیص کرتا ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے، جتنا چاہے بڑھا سکتا ہے۔ غرض حمد میں ایک جانب اصلاً حد نہیں اور نعت میں دونوں جانب حد بندی ہے۔“ (الملفوظ 2/ 40، 41)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فن نعت گوئی میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی پیروی کی

ہے۔ فرماتے ہیں:

؎ راہبر کی راہ نعت میں گر جاحت ہو
نقش قدم حضرت حساں بس ہے

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ فصاحت و بلاغت، حلاوت و ملاحت، لطافت و نزاکت اور سلاست سب آپ کی باندیاں ہیں اور دست بستہ حاضر خدمت ہیں۔ آپ کے کلام کو پڑھ کر زبان بے ساختہ پکار اٹھتی ہے:

؎ ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی نعتوں میں حسن و رعنائی، دل کشی و رنگینی، طرز ادا کی خوش اسلوبی، جذب وشوق، سوز وگداز، خوبصورت استعارات، دل آویز تشبیہات اور بامعنی تلمیحات کا شاعرانہ اظہار پوری تابانیوں کے ساتھ موجود ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نعت میں تفوق کے بارے میں حضرت محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نہایت لطف اندوز واقعہ بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ لکھنؤ کے ادیبوں کی شاعرانہ محفل میں، مَیں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا قصیدہ مواجیہ اپنے انداز میں پڑھا، تو سب جھومنے لگے۔ میں نے اعلان کیا کہ اردو ادب کے نقطہ نظر سے اس قصیدہ کی زبان کے متعلق ادیبوں کا فیصلہ چاہتا ہوں، تو سب نے کہا: اس کی زبان تو کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی ہے۔''

اس قسم کا ایک واقعہ دہلی میں بھی پیش آیا، تو سرآمد شعراء نے جواب دیا کہ ہم سے کچھ نہ پوچھیے۔ آپ عمر بھر پڑھتے رہیں، ہم عمر بھر سنتے رہیں گے۔

انجمن اسلامیہ سیالکوٹ کے سالانہ جلسہ، جو غالباً 1929ء کو منعقد ہوا۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس جلسہ کے صدر تھے۔ ایک نعت خوان نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نعت پڑھی، جس کا ایک شعر یہ ہے:

؎ خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد (ﷺ)

پوری نعت سننے کے بعد علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ صدارتی خطبے کیلئے کھڑے ہوئے اور ارتجالاً فرمایا:

؎ تماشا تو دیکھو کہ دوزخ کی آتش
لگائے خدا اور بجھائے محمد
تعجب تو یہ ہے کہ فردوس اعلیٰ
بنائے خدا اور بسائے محمد

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مقام نبوت کے ادب و احترام کا خصوصیت سے لحاظ رکھا ہے۔ آپ کے نعتیہ کلام میں کوئی شعر ایسا نہیں ملتا، جس میں مقام نبوت گرتا ہوا نظر آئے۔ ایک مرتبہ معروف شاعر امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ نے نعت لکھ کر آپ کی خدمت میں ارسال کی، جس کا مطلع تھا:

؎ کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمۂ لیلیٰ کے سامنے

آپ نے برہم ہو کر فرمایا: اس شعر کا مصرعہ ثانیہ بارگاہ رسالت کے شایان شان نہیں (حالانکہ یہ مصرعہ ان کی پوری نعت کی جان تھا) حضور کو لیلیٰ اور گنبد خضراء کو خیمۂ لیلیٰ سے تشبیہ دینا عاشقان رسول مقبول کے شایان شان نہیں اور قلم برداشتہ اصلاح فرمائی۔

؎ کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
قدسی کھڑے ہیں عرش معلیٰ کے سامنے

اسی طرح ایک اور صاحب نے یہ شعر کہا:

؎ شان یوسف جو گھٹی تو اس در سے گھٹی

آپ نے فرمایا: حضور ﷺ کس نبی کی شان گھٹانے نہیں، بڑھانے کیلئے آئے ہیں،

اس کو یوں بدلو!

؎ شان یوسف جو بڑھی تو اس در سے بڑھی

فن توقیت میں کمال:

فن توقیت میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کمال کا یہ عالم تھا کہ سورج آج کب نکلے گا اور کس وقت ڈوبے گا، اس کو بلا تکلف معلوم کر لیتے۔ ستاروں کی معرفت اور ان کی چال کی شناخت پر اس قدر عبور تھا کہ رات میں تارا اور دن میں سورج دیکھ کر گھڑی ملا لیا کرتے اور وقت بالکل صحیح ہوتا، ایک منٹ کا بھی فرق نہ پڑتا۔

ایک دفعہ آپ بدایوں تشریف لے گئے۔ مسجد حزما میں آپ نے مولانا عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش پر صبح کی نماز پڑھائی۔ دوران نماز قرآت اس قدر لمبی کی کہ لوگوں کو شک ہوا کہ سورج نکل آیا ہوگا، نماز کے بعد لوگ باہر نکل کر مشرق کی طرف دیکھنے لگے تو آپ نے فرمایا: ابھی سورج نکلنے میں تین منٹ اور اڑتالیس (48) سیکنڈ باقی ہیں، جب گھڑی کو دیکھا گیا تو واقعی ایسا تھا۔

فن تکسیر میں مہارت

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی فن تکسیر میں مہارت درج ذیل واقعہ سے ظاہری ہوتی ہے:

اعلیٰ حضرت کے شاگرد حضرت مولانا سید ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شاہ صاحب ملے، جن کا خیال تھا کہ فن تکسیر کا علم صرف مجھ کو ہے۔ دوران گفتگو مولانا بہاری نے ان سے دریافت کیا کہ جناب نقش مربع کتنے طریقے سے بھرتے ہیں؟ شاہ صاحب مذکور نے بڑے فخریہ انداز میں جواب دیا کہ سولہ طریقے سے۔ پھر انہوں نے مولانا بہاری سے پوچھا کہ آپ کتنے طریقے سے بھرتے ہیں؟ مولانا نے بتایا کہ الحمدللہ! میں نقش مربع کو گیارہ سو باون طریقے سے بھرتا ہوں۔ یہ سن کر شاہ صاحب کے ہاتھ سے طوطے اُڑ گئے اور پوچھا کہ مولانا! آپ نے فن تکسیر کس سے سیکھا ہے؟ مولانا بہاری نے فرمایا: حضور پرنور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ سے۔ شاہ صاحب نے دریافت کیا کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نقش مربع کتنے طریقوں سے بھرتے تھے؟ مولانا بہاری نے

جواب دیا کہ دو ہزار تین سو طریقے سے پھر تو شاہ صاحب نے ہمہ دانی کا کیڑا دماغ سے نکال باہر کیا۔

علمِ ریاضی میں کمال

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی ؒ کو علمِ ریاضی میں کہاں تک کمال حاصل تھا اور یہ علم آپ نے کہاں سے حاصل کیا تھا؟ ان سوالات کے سلسلے میں ایک واقعہ پیش خدمت ہے، جس میں جملہ امور کا شافی، وافی اور کافی جواب ہے:

ایک مرتبہ سید سلیمان اشرف بہاری (پروفیسر دینیات علی گڑھ کالج) نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اس مضمون کا خط لکھا کہ ”ڈاکٹر سر ضیاء الدین صاحب جو علم ریاضی میں جرمن، انگلینڈ وغیرہ ممالک کی ڈگریاں اور تمغہ جات حاصل کیے ہوئے ہیں، عرصہ سے حضور کی ملاقات کے مشتاق ہیں، پھر چونکہ وہ ایک شریف آدمی ہیں اس لیے آپ کی خدمت میں آتے ہوئے جھجک محسوس کرتے ہیں، لیکن اب میرے کہنے اور اپنے اشتیاق ملاقات کے سبب حاضر ہونے کیلئے آمادہ ہو چکے ہیں، لہٰذا اگر وہ پہنچیں تو انہیں باریابی کا موقع دیا جائے“۔

اعلیٰ حضرت نے حضرت مولانا کو جواب بھیجا کہ وہ بلاتکلف تشریف لے آئیں۔

چنانچہ دو چار روز کے بعد ڈاکٹر سر ضیاء الدین بریلی پہنچ کر اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ نماز کے بعد دوران گفتگو اعلیٰ حضرت نے ایک قلمی رسالہ پیش کیا، جس کو دیکھتے ہی ڈاکٹر صاحب محوِ حیرت واستعجاب ہو گئے اور بولے کہ میں نے اس علم کو حاصل کرنے کیلئے بارہا غیر ممالک کے سفر کیے مگر یہ باتیں کہیں بھی حاصل نہ ہوئیں۔ میں تو اپنے آپ کو اس وقت بالکل طفل مکتب سمجھ رہا ہوں، مہربانی فرما کر یہ بتائیں کہ اس فن میں آپ کا استاد کون ہے؟ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا: میرا کوئی استاد نہیں ہے۔ میں نے اپنے والد ماجد ؒ سے جمع، تفریق، ضرب اور تقسیم کے چار قاعدے صرف اس لیے سیکھ لیے تھے کہ ترکہ کے مسائل میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ شرح چغمینی شروع کی تھی کہ حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ اس میں اپنا وقت کیوں صرف کرتے ہو؟ مصطفیٰ

پیارے کی بارگاہ سے یہ علوم تم کو خود ہی سکھا دیے جائیں گے۔

اسی علم ریاضی کے متعلق ایک واقعہ اور پیش خدمت ہے، جس سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ جب کسی پر حبیب پروردگار احمد مختار ﷺ کی خصوصی نظر کرم ہو جائے تو اسے کس کس طرح نوازا اور نکھارا جاتا ہے۔

مولانا محمد حسین صاحب میرٹھی (بانی طلسمی پریس) بیان کرتے ہیں کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر، جنہوں نے ہندوستان کے علاوہ یورپ کے ممالک میں تعلیم پائی تھی اور ریاضی میں کمال حاصل کیا تھا اور ہندوستان میں کافی شہرت رکھتے تھے، اتفاق سے ان کو ریاضی کے کسی مسئلہ میں اشتباہ ہوا، ہر چند کوشش کی مگر وہ حل نہ ہوا۔ چونکہ صاحب حقیقت تھے اور علم کے شائق، اس لیے قصد کیا کہ جرمن جا کر اس کو حل کریں۔ سید سلیمان اشرف بہاری کے مشورے سے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بتایا کہ میں ریاضی کا ایک مسئلہ پوچھنے آیا ہوں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: پوچھیے! وائس چانسلر صاحب نے کہا: وہ ایسی بات نہیں ہے جسے میں اتنی جلدی عرض کر دوں۔ اعلیٰ حضرت نے کہا: آخر کچھ تو فرمائیے۔ غرض وائس چانسلر صاحب نے سوال پیش کر دیا۔ اعلیٰ حضرت نے سنتے ہی فرمایا: اس کا جواب یہ ہے۔ یہ سن کر ان کو بے حد حیرت ہوئی اور گویا آنکھ سے پردہ اٹھ گیا۔ بے اختیار بول اٹھے کہ میں سنا کرتا تھا کہ علم لدنی بھی کوئی چیز ہے، آج آنکھ سے دیکھ لیا۔ میں اس مسئلہ کے حل کیلئے جرمن جانا چاہتا تھا کہ ہمارے پروفیسر جناب مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے میری رہبری فرمائی۔

؎ میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہادیے ہیں، دُر بے بہادیے ہیں

تاریخ گوئی میں ملکہ

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو تاریخ گوئی میں بلا کا کمال حاصل تھا۔ انسان جتنی دیر میں کوئی مفہوم لفظوں میں ادا کرتا، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اتنی دیر میں بے تکلف تاریخی مادے اور جملے فی البدیہہ موقع محل کے مطابق فرما دیتے تھے۔ آپ کی بے شمار کتب کے نام بھی

تاریخی ہیں۔

ایک صاحب اعلیٰ حضرت ؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ایک صاحب نے امام باڑہ بنایا ہے۔ چاہتے ہیں کہ کوئی تاریخی نام ہو تو دروازہ پر کتبہ کر دیں۔ اعلیٰ حضرت ؒ نے فی البدیہہ فرمایا: ان سے کہیے ”بدر رفض“ (1286ھ) رکھیں۔ اس جواب کو سن کر وہ بولے کہ امام باڑہ گزشتہ ہی سال تیار ہو چکا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت دوسرا لفظ فرمائیں گے، جس میں لفظ رفض نہ ہو۔ اعلیٰ حضرت ؒ نے فوراً ہی فرمایا: تو ”دار رفض“ (1285ھ) رکھیں۔ یہ سن کر وہ بہت چپ ہوئے اور پھر عرض کیا کہ اس کی ابتداء 1284ھ ہی میں کی تھی۔ اس لیے اسی سن کا نام ہونا بہت مناسب ہے۔ ارشاد فرمایا: تو ”در رفض“ (1284ھ) رکھیں۔

دیکھئے تاریخ گوئی کی مثال
اعلیٰ حضرت کا ہے یہ بھی اک کمال

شادی خانہ آبادی اور اولاد امجاد

”اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ“ کے تحت اعلیٰ حضرت ؒ کی شادی 1291ھ /1875ء میں اپنی پھوپھی زادی سے ہوئی۔ آپ کی پانچ بیٹیاں اور دو بیٹے تھے:

1- حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خان بریلوی
2- مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی

مولانا حسنین رضا خان بریلوی فرماتے ہیں:

”بی بی صاحبہ صوم و صلوٰۃ کی سختی سے پابند تھیں۔ نہایت خوش اخلاق، بڑی سیر چشم، انتہائی مہمان نواز، نہایت متین و سنجیدہ بی بی تھیں۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے یہاں مہمانوں کی بڑی آمد رہتی تھی، ایسا بھی ہوا ہے کہ عین کھانے کے وقت ریل سے مہمان اُتر آئے اور جو کچھ کھانا پکنا تھا، وہ سب پک چکا تھا اب پکانے والیوں نے ناک بھوں سمیٹی، آپ نے فوراً کھانا اُتار کر باہر بھیج دیا اور سارے گھر والوں کے لئے دال چاول یا کھچڑی پکنے کو رکھوا دی کہ اس کا پکنا کوئی دشوار کام نہ تھا، جب تک مہمانوں نے باہر کھانا کھایا گھر

والوں کے لئے بھی کھانا تیار ہوگیا۔ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کی ضروری خدمات وہ اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں۔ خصوصاً اعلیٰ حضرت کے سر میں تیل ملنا' یہ ان کا روزمرہ کا کام تھا جس میں کم وبیش آدھا گھنٹہ کھڑا رہنا پڑتا تھا اور اس شان سے تیل جذب کیا جاتا تھا کہ ان کے لکھنے میں اصلاً فرق نہ پڑے' یہ عمل ان کا روزانہ مسلسل تا حیاتِ اعلیٰ حضرت جاری رہا۔ سارے گھر کا نظام اور مہمان نوازی کا عظیم بار بڑی خاموشی اور صبر واستقلال سے برداشت کر گئیں۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے وصال کے بعد بھی کئی سال زندہ رہیں مگر اب بجز یادِ الٰہی انہیں اور کوئی کام نہیں تھا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے گھر کے لئے ان کا انتخاب بڑا کامیاب تھا۔ رب العزت نے اعلیٰ حضرت کو دینی خدمات کے لئے جو آسانیاں عطا فرمائی تھیں' ان آسانیوں میں ایک بڑی چیز اُمی جان کی ذاتِ گرامی تھی۔

قرآنِ پاک میں ربّ العزت نے اپنے بندوں کو دعائیں اور مناجاتیں بھی عطا فرمائی ہیں تاکہ بندوں کو اپنے ربّ سے مانگنے کا سلیقہ وطریقہ آجائے' ان میں سے ایک دعا یہ بھی ہے:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

"اے ربّ ہمارے! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں عذابِ دوزخ سے بچا"۔

تو دنیا کی بھلائی سے بعض مفسرین نے ایک پاکدامن' ہمدرد اور شوہر کی جاں نثار بیوی مراد لی ہے۔

ہماری اماں جان عمر بھر اس دعا کا پورا اثر معلوم ہوتی رہیں' اپنے دیوروں اور نندوں کی اولاد سے بھی اپنے بچوں جیسی محبت فرماتی تھیں۔ گھرانے کے اکثر بچے انہیں "اماں جان" ہی کہتے تھے۔ اب کہاں ایسی پاک ہستیاں۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا وعلیٰ اھلھا وابنیھا

اعلیٰ حضرت کے بڑے بیٹے مولانا حامد رضا خان ربیع الاوّل 1292ھ/1875ء

میں پیدا ہوئے۔ کتب معقول و منقول والد ماجد سے پڑھیں۔ عربی ادب پر بڑا ملکہ رکھتے تھے۔ صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ 70 برس کی عمر پائی، 23 سال والد ماجد کے جانشین رہے اور برسوں دارالعلوم منظر اسلام (بریلی) میں درس حدیث دیا اور 17 جمادی الاولیٰ 1362ھ / 1943ء کو 70 سال کی عمر میں وفات پائی۔

اور چھوٹے بیٹے مولانا مصطفیٰ رضا خان اوائل 1310ھ / 1892ء میں پیدا ہوئے۔ برادر بزرگ مولانا حامد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم حاصل کی اور والدِ گرامی سے علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ دارالافتاء الرضویہ (بریلی) میں 1328ھ / 1910ء سے فتویٰ نویسی کا نظام آپ کے سپرد کر دیا گیا اور آخر عمر تک فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ 13 محرم الحرام 1402ھ / 1982ء کو 90 سال کی عمر میں وفات پائی۔

بیعت و خلافت:

جمادی الاولیٰ 1294ھ / 1877ء میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد مکرم کے ہمراہ مارہرہ شریف حاضر ہوئے اور سید شاہ آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 1297ھ / 1880ء) کے دست حق پرست پر سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں بیعت ہوئے۔ ساتھ ہی چاروں سلاسل کی اجازت اور خرقۂ خلافت سے بھی نوازے گئے۔ اہل نظر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ حضرت پیر و مرشد اس بیعت سے چند روز پہلے یوں نظر آتے تھے جیسے کسی کا انتظار کر رہے ہوں اور جب دونوں حضرات حاضرِ خدمت ہوئے تو بشاش ہو کر فرمایا: تشریف لایئے، آپ کا بڑا انتظار تھا۔

بعض مریدین جو اس وقت حاضر خدمت تھے، نے حضرت پیر و مرشد سے عرض کیا کہ حضور! اس بچے پر یہ کرم کہ مرید ہوتے ہی تمام سلاسل کی اجازت و خلافت عطا ہو گئی نہ ضروری ریاضت کا حکم ہوا، نہ چلہ کشی کرائی۔ اس پر حضرت پیر و مرشد نے فرمایا کہ تم کیا جانو! یہ بالکل تیار آئے تھے صرف نسبت کی ضرورت تھی تو یہاں آ کر وہ ضرورت بھی پوری ہو گئی۔ یہ فرما کر آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا:

"آج وہ فکر میرے دل سے دور ہو گئی کیونکہ جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ

اے آلِ رسول! تو میرے لیے کیا لایا ہے؟ تو میں عرض کروں گا کہ الٰہی! میں تیرے لیے احمد رضا لایا ہوں۔"

کسی شاعر نے اس فرمان کو یوں بیان کیا ہے:

روزِ محشر اگر مجھ سے پوچھے خدا
بول آلِ رسول تو لایا ہے کیا
پیش کردوں گا لایا ہوں احمد رضا
یا خدا! یہ امانت سلامت رہے

سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ

اسمائے گرامی	تاریخ و سن وصال	مدفن
حضور پُرنور سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ	۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ	مدینہ طیبہ
حضرت علی مرتضیٰ ؓ	۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ	نجف اشرف
حضرت امام حسین ؓ	۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ	کربلا معلیٰ
حضرت امام زین العابدین ؓ	۱۸ محرم الحرام ۹۴ھ	مدینہ منورہ
حضرت امام باقر ؓ	۷ ذی الحجہ ۱۱۴ھ	مدینہ منورہ
حضرت امام جعفر ؓ	۱۵ رجب الرجب ۱۴۸ھ	مدینہ منورہ
حضرت امام موسیٰ کاظم ؓ	۲۱ رمضان المبارک ۲۰۳ھ	مشہد مقدس
حضرت شیخ معروف کرخی ؓ	۲ محرم الحرام ۲۰۰ھ	بغداد شریف
حضرت شیخ جنید بغدادی ؓ	۲۷ رجب المرجب ۲۹۷ھ	بغداد شریف
	یا ۲۹۸ھ یا ۲۹۹ھ	بغداد شریف
حضرت شیخ ابوبکر شبلی ؓ	۲۷ ذی الحجہ ۳۳۴ھ	بغداد شریف
حضرت شیخ عبدالواحد تمیمی ؓ	۲۶ جمادی الاخریٰ ۴۲۵ھ	بغداد شریف
حضرت شیخ ابوالفرح طرطوسی ؓ	۳ شعبان المعظم ۴۴۷ھ	بغداد شریف

حضرت شیخ ابوالحسن علی الہکاری رضی اللہ عنہ	یکم محرم الحرام ۴۸۶ھ	بغداد شریف
حضرت شیخ ابوسعید مخزومی رضی اللہ عنہ	۷ شعبان المعظم ۵۱۳ھ	بغداد شریف
حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ	۱۱ یا ۱۷ ربیع الآخر ۵۶۱ھ	بغداد شریف
حضرت شیخ ابوبکر عبدالرزاق رضی اللہ عنہ	۶ شوال المکرم ۶۲۳ھ	بغداد شریف
حضرت شیخ ابوصالح نصر رضی اللہ عنہ	۲ رجب المرجب ۶۳۲ھ	بغداد شریف
حضرت شیخ محی الدین ابونصر رضی اللہ عنہ	۲۲ ربیع الاول ۶۵۶ھ	بغداد شریف
حضرت شیخ سید علی رضی اللہ عنہ	۲۳ شوال المکرم ۷۳۹ھ	بغداد شریف
حضرت شیخ سید موسیٰ رضی اللہ عنہ	۱۳ رجب المرجب ۷۶۳ھ	بغداد شریف
حضرت شیخ سید حسن رضی اللہ عنہ	۲۶ صفر المظفر ۷۸۱ھ	بغداد شریف
حضرت سید احمد جیلانی رضی اللہ عنہ	۱۹ محرم الحرام ۸۵۳ھ	بغداد شریف
حضرت شیخ بہاء الدین رضی اللہ عنہ	۱۱ ذی الحجہ ۹۲۱ھ	دولت آباد (دکن)
حضرت شیخ سید ابراہیم ایرجی رضی اللہ عنہ	۵ ربیع الآخر ۹۵۳ھ	دہلی
حضرت شیخ محمد بھکاری رضی اللہ عنہ	۹ ذی قعدہ ۹۸۱ھ	کاکوری
حضرت شیخ ضیاء الدین رضی اللہ عنہ	۲۲ رجب المرجب ۹۸۹ھ	نیوتنی (لکھنؤ)
حضرت شیخ جمال الاولیاء رضی اللہ عنہ	شب عید الفطر ۱۰۴۷ھ	کوڑا جہاں آباد
حضرت شیخ سید محمد رضی اللہ عنہ	۶ شعبان المکرم ۱۰۷۱ھ	کالپی
حضرت شیخ سید احمد رضی اللہ عنہ	۱۹ صفر المظفر ۱۰۸۴ھ	کالپی
حضرت شیخ سید فضل اللہ رضی اللہ عنہ	۱۴ ذی قعدہ ۱۱۱۱ھ	کالپی
حضرت سید شاہ برکت اللہ رضی اللہ عنہ	۱۰ محرم الحرام ۱۱۴۲ھ	مارہرہ شریف
حضرت سید شاہ آل محمد رضی اللہ عنہ	۱۶ رمضان المبارک ۱۱۹۸ھ	مارہرہ شریف
حضرت سید شاہ حمزہ رضی اللہ عنہ	۱۴ رمضان المبارک ۱۱۹۸ھ	مارہرہ شریف
حضرت سید شاہ آل احمد اچھے میاں رضی اللہ عنہ	۱۷ ربیع الآخر ۱۲۳۵ھ	مارہرہ شریف
حضرت سید شاہ آل رسول احمدی رضی اللہ عنہ	۱۸ ذی الحجہ ۱۲۹۶ھ	مارہرہ شریف

حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ بریلی شریف

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدائق بخشش میں شجرۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ یوں بیان کیا ہے:

یا الٰہی رحم فرما مصطفیٰ کے واسطے
یارسول اللہ کرم کیجیے خدا کے واسطے
مشکلیں حل کر شہِ مشکل کشا کے واسطے
کر بلائیں رد شہید کربلا کے واسطے
سید سجاد کے صدقے میں ساجد رکھ مجھے
علم حق دے باقر علم ھدیٰ کے واسطے
صدق صادق کا تصدق صادق الاسلام کر
بے غضب راضی ہو کاظم اور رضا کے واسطے
بہر معروف و سری معروف دے بے خود سری
جند حق میں گن جنید باصفا کے واسطے
بہر شبلی شیر حق دنیا کے کتوں سے بچا
ایک کا رکھ عبد واحد بے ریا کے واسطے
بوالفرح کا صدقہ کرغم کو فرح دے حسن و سعد
بوالحسن اور بوسعید سعد زا کے واسطے
قادری کر قادری رکھ قادریوں میں اٹھا
قدر عبد القادر قدرت نما کے واسطے
اَحْسَنَ اللّٰہُ لَھُمْ رِزْقًا سے دے رزق حسن
بندۂ رزاق تاج الاصفیا کے واسطے
نصرابی صالح کا صدقہ صالح و منصور رکھ
دے حیات دیں محی جاں فزا کے واسطے

طور عرفاں و علو و حمد و حسنیٰ و بہا
دے علی موسیٰ حسن احمد بہا کے واسطے
بہر ابراہیم مجھ پر نار غم گلزار کر
بھیک دے داتا بھکاری بادشاہ کے واسطے
خانۂ دل کو ضیا دے روئے ایماں کو جمال
شہ ضیاء مولیٰ جمال الاولیاء کے واسطے
دے محمد کے لئے روزی کر احمد کے لئے
خوان فضل اللہ سے حصہ گدا کے واسطے
دین و دنیا کی مجھے برکات دے برکات سے
عشق حق دے عشقی عشق انتما کے واسطے
حب اہل بیت دے آلِ محمد کے لیے
کر شہید عشق حمزہ پیشوا کے واسطے
دل کو اچھا تن کو ستھرا جان کو پُرنور کر
اچھے پیارے شمس دین بدر العلیٰ کے واسطے
دو جہاں میں خادمِ آلِ رسول اللہ کر
حضرت آلِ رسول مقتدا کے واسطے
صدقہ ان اعیان کا دے چھ عین عزم علم وعمل
عفو و عرفاں عافیت احمدرضا کے واسطے

خلفائے اعلیٰ حضرت:

امامِ بو حنیفہ کے ادھر نورِ نظر ٹھہرے
طریقت میں ادھر بھی نائب غوث الوریٰ تم ہو

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یاب ہونے والے خوش قسمت حضرات کی فہرست لاتعد ولا تحصیٰ کی مصداق ہے۔ آپ کے تلامذہ وخلفاء پاک وہند کے گوشے

گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں بلکہ پوری دنیا میں آپ کا فیض بالواسطہ یا بلاواسطہ جاری و ساری ہے اور تا قیام قیامت جاری رہے گا۔ (فیضانِ رضا!!!..... جاری رہے گا، جاری رہے گا..... انشاء اللہ تعالیٰ)

ذیل میں آپ کے چند خلفائے کرام کے نام دیے جاتے ہیں:

1- مولانا مفتی امجد علی اعظمی (الشہیر بصدر الشریعت و بدر الطریقت ومصنف "بہارِ شریعت")
2- مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی (الشہیر بصدر الافاضل و بدر الاماثل ومصنف "تفسیر خزائن العرفان")
3- مولانا حامد رضا خان بریلوی (حجۃ الاسلام وشہزادۂ اکبر اعلیٰ حضرت)
4- مولانا محمد مصطفیٰ رضا خان بریلوی (مفتی اعظم ہند وشہزادۂ اصغر اعلیٰ حضرت)
5- مولانا ظفر الدین قادری بہاری (الشہیر بملک العلماء ومصنف "حیات اعلیٰ حضرت")
6- مولانا حسنین رضا خان بریلوی (ابن مولانا حسن رضا خان بریلوی)
7- مولانا سید دیدار علی شاہ الوری (والد گرامی سید ابوالبرکات شاہ قادری)
8- مولانا ابوالبرکات سید احمد شاہ قادری (مفتیٔ اعظم پاکستان)
9- مولانا ابوالمحمود شاہ احمد اشرف جیلانی کچھوچھوی (والد گرامی شاہ محمد مختار اشرف)
10- سید ابوالمحامد محمد محدث کچھوچھوی (استاذ گرامی سید محمد مدنی میاں)
11- مولانا شاہ احمد مختار صدیقی میرٹھی (برادر اکبر شاہ عبدالعلیم صدیقی)
12- مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (والد گرامی مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی)
13- مولانا ضیاء الدین احمد مدنی (الشہیر بقطب مدینہ، داداسسر مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی)
14- مولانا ابو یوسف محمد شریف کوٹلوی (والد گرامی مولانا ابوالنور محمد بشیر کوٹلوی)
15- مولانا امام الدین کوٹلوی (برادر اصغر مولانا محمد شریف کوٹلوی)
16- قاضی عبدالوحید عظیم آبادی (والد گرامی قاضی عبدالودود بیرسٹر)
17- مولانا رحیم بخش آروی (بانی مدرسہ فیض الغرباء، صوبہ بہار)
18- مولانا میر مومن علی مومن جنیدی (نانا جی مولانا سعید احمد انصاری)

19- مولانا جمیل الرحمٰن جمیل قادری (مصنف ''قبالۂ بخشش'')
20- مولانا سید سلیمان اشرف بہاری (پروفیسر مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)
21- مولانا غلام جان جام جودھپوری (مصنف ''ذکر رضا'')
22- مولانا شاہ محمد حبیب اللہ میرٹھی (بانی مسلم دارالیتامیٰ والمساکین)
23- مولانا عبدالسلام جبل پوری (والد گرامی مولانا برہان الحق جبل پوری)
24- مولانا برہان الحق جبل پوری (ابن مولانا عبدالسلام جبل پوری)
25- مولانا عبدالاحد قادری پیلی بھیتی (ابن شاہ وصی احمد محدث سورتی)
26- مولانا عبدالحق پیلی بھیتی (شاگرد خاص مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی)
27- مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی (مدیر ماہنامہ تحفہ پٹنہ)
28- قاضی شمس الدین جونپوری (مصنف ''قانون شریعت'')
29- مفتی غلام جان ہزاروی (والد گرامی قاضی محمد مظفر اقبال رضوی)
30- مولانا عمر الدین ہزاروی (مرید خاص مولانا عبدالقادر بدایونی)
31- مولانا یقین الدین بریلوی (مفتی دالافتاء، بریلی)
32- مولانا ہدایت رسول لکھنوی (مرید خاص شاہ ابوالحسن نوری)
33- مولانا احمد حسین امروہوی (ابن مولانا حکیم فخر الدین الہٰ آبادی)
34- مولانا محمد حبیب الرحمٰن پیلی بھیتی (استاذ گرامی مفتی وقار الدین)
35- مولانا حاجی کفایت اللہ (خادم خاص اعلیٰ حضرت)
36- حاجی محمد لعل خان مدراسی (نانا جی غلام سمنانی خان)
37- مولانا فتح علی شاہ کھروٹہ سیداں (والد گرامی سید احمد حسن قادری)
38- مولانا احمد بخش صادق (مہتمم مدرسہ محمودیہ، تونسہ)
39- مولانا حشمت علی خان لکھنوی (شیر بیشۂ اہل سنت)
40- مولانا محمد ابراہیم رضا خان (ابن شاہ حامد رضا خان)
41- شیخ صالح کمال (امام کعبہ و قاضی جدہ)

42- سید عبداللہ بن دحلان (برادرِ حقیقی سید احمد زینی دحلان مکی)
43- سید اسمٰعیل بن خلیل مکی (محافظ کتب حرم)
44- سید مصطفیٰ خلیل مکی آفندی (برادرِ حقیقی سید اسماعیل خلیل مکی)
45- شیخ عبداللہ میرداد (ابن علامہ ابوالخیر میرداد)
46- سید محمد بن عبدالرحمٰن المرزوقی (شاگرد خاص شیخ صالح کمال)
47- سید محمد بن عبدالحی بن عبدالکبیر الکتانی (مصنف ''فہرس الفہارس'')
48- سید حسین مدنی بن عبدالقادر شامی (مدرس مسجد نبوی)
49- شیخ عابد حسین مکی (برادرِ حقیقی علامہ علی بن حسین)
50- شیخ اسعد دھان مکی (برادرِ حقیقی علامہ عبدالرحمٰن دھان)

وہ ہستیاں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دعائیہ نظم تیار کی، جس میں اپنے چند خلفاء وتلامذہ کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ نظم یہ ہے:

تیرے رضا پر تیری رضا ہو — اس سے غضب تھراتے یہ ہیں
بلکہ رضا کے شاگردوں کا — نام لیے گھبراتے یہ ہیں
حامد منی وانا من حامد — حمد سے ہمد کماتے یہ ہیں
عبدالسلام سلامت جس سے — سخت آفات میں آتے یہ ہیں
میرے ظفر کو اپنی ظفر دے — اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں
میرا امجد مجد کا پکا — اس سے بہت کچیاتے یہ ہیں
میرے نعیم الدین کو دے نعمت — اس سے ذلت پاتے یہ ہیں
مولانا دیدار علی کو — کب دیدار دکھاتے یہ ہیں
مجبور احمد مختار ان کو — کرتا ہے مر جاتے یہ ہیں
عبد علیم کے علم کو سن کر — جہل کی بہل بھگاتے یہ ہیں

اک اک وعظ عبدالاحد پر — کتنے نتھنے پھلاتے یہ ہیں
بخش رحیم پہ رحمت جس سے — آرے کے نیچے آتے یہ ہیں
جو ہر منشی لعل پر ہیرا — کھا مرنے کو منگاتے یہ ہیں
آل رحمٰن، برہان الحق — شرق پہ برق گراتے یہ ہیں
تازہ ضرب شفیع احمد سے — کہنہ بخار اٹھاتے یہ ہیں
دے حسنین وہ تقبیع ان کو — جس سے برے کھسیاتے یہ ہیں
نجد یہ میں ہلچل رہے ان کی — جیسے ہل ان پہ چلاتے یہ ہیں
کم کو فزوں افزوں کو فزوں تر — کردے ترا ہی کھاتے یہ ہیں
اپنوں میں ان کے مثل فزوں کر — ترا ذکر بڑھاتے یہ ہیں
دل میں ہراس نہ لانے دینا — دل میں انی چمکاتے یہ ہیں
ان پہ کرم رکھ سر پہ قدم رکھ — تیرے ہی کہلاتے یہ ہیں
تیرے گدا ہیں تجھ پہ فدا ہیں — تیرا ہی کھاتے، گاتے یہ ہیں
صلی اللہ علیک وسلم — بارک شرف مجد کرم۔

* * *

مجددیت

مجدد کی شناخت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰـهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُل مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا ۔

''ہر صدی کے اختتام پر اس امت کیلئے اللہ تعالیٰ ایک مجدد ضرور بھیجے گا جو امت کیلئے اس کا دین تازہ کرے گا۔''

(سنن ابی داؤد: کتاب الملاحم 2 / 233، المستدرک 522/4، کشف الخفاء 243/1، مشکوٰۃ المصابیح: کتاب العلم ص 36۔ امام حافظ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر سیوطی نے بھی اس حدیث مبارکہ کو اپنی کتاب ''مرقات الصعود حاشیہ ابوداؤد'' میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے: اتفق الحفاظ علی تصحیحہ)

اصطلاح دین میں مجدد اسے کہتے ہیں کہ ہر صدی کے اوائل میں پیدا ہونے والا وہ مصلح، جو مسلمانوں میں مروج خرافات و بدعات کی اصلاح کرے۔ امت کو بھولے ہوئے احکام یاد دلائے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مردہ سنتوں کو زندہ کرے۔ فقہ و کلام کے الجھے ہوئے معرکۃ الآراء مسائل کو سلجھا دے اور اپنی عالمانہ سطوت کے ذریعے اعلائے کلمۃ الحق فرما کر باطل کی جھوٹی شان و شوکت کو مٹا دے۔

مجدد کے خصوصی اوصاف:

مجدد کیلئے خاص اہل بیت سے ہونا ضروری نہیں، نہ مجتہد ہونا لازمی ہے لیکن یہ

ضروری ہے کہ وہ سنی صحیح العقیدہ، عالم، فاضل، علوم وفنون کا جامع، اشہر مشاہیر زمانہ، بے لوث، بے خوف، حامی سنت، ماحی بدعت، حق کہنے میں نہ خوف لومتہ لائم ہو، نہ دین کی ترویج واشاعت میں دنیوی نفع کی طمع رکھنے والا ہو۔ متقی، پرہیزگار، شریعت وطریقت کے زیور سے آراستہ ہو۔ زبان سے وہی بولے، جو شریعت کا حکم ہو۔ حق کہنے میں زبان اس کی سیف قاطع اور قلم تیغ براں ہو۔ بے لوث شریعت کے دائرہ میں ہو۔ جو لکھے شریعت کی حد میں ہو۔ جو کہے بے لوث و بے خوف کہے۔ جو لکھے بے خوف لکھے اسلام کے دشمنوں کے لئے اس کا قلم شمشیر بے نیام ہو۔ حق سچ بولنے میں کسی کی پرواہ نہ کرے۔

مجدد کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ علمائے عصر قرائن احوال اور اس کے علوم سے انتفاع دیکھ کر اس کے مجدد ہونے کا اقرار کریں۔ امام حافظ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مجدد کے بارے میں لکھا ہے کہ گزشتہ صدی کے آخر میں اس کی شہرت ہو چکی ہو اور موجودہ صدی میں بھی وہ مرکز علوم سمجھا جاتا ہو یعنی علماء کے درمیان اس کے احیائے سنت اور ازالۂ بدعت اور دیگر دینی خدمات کا چرچا ہو۔

علامہ عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی لکھتے ہیں:

"حدیث میں جو "رأس مائة سنة" ہے، اس سے مراد محدثین کے اتفاق سے صدی کا آخری حصہ ہے یعنی ایسی شخصیت کی ولادت صدی کے آخری حصے میں ہونی چاہیے اور اس کی علامات یہ ہیں کہ وہ شخص علوم ظاہرہ و باطنہ کا عالم ہو اور اس کے درس و تدریس، تصنیف و تالیف، وعظ و تبلیغ سے لوگوں کو نفع کثیر پہنچے۔ سنتوں کے زندہ کرنے اور بدعت کے ختم کرنے میں سرگرم عمل ہو اور ایک صدی کے اختتام اور دوسری کے آغاز میں اس کے علم کی شہرت اور اس سے لوگوں کو فائدہ معروف و مشہور ہو۔ لہٰذا اگر اس شخص نے صدی کے آخر کو نہیں پایا اور اس سے اس زمانہ میں احیائے شریعت نہیں ہوا تو اس کا نام مجددین کی فہرست میں نہیں آئے گا۔" (مجموعۃ الفتاویٰ 151/2 و 152)

مجددین اسلام کی فہرست

حضور اکرم نور مجسم شفیع معظم تاجدار عرب وعجم ﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ کے ارشاد (ان اللّٰه یبعث ....) کے مطابق مجددین کا سلسلہ جاری رہا، جن کی فہرست درج ذیل ہے۔

☆ پہلی صدی کے مجدد بالاتفاق حضرت عمر بن عبدالعزیز ہیں۔

☆ دوسری صدی کے مجدد امام محمد بن ادریس شافعی اور امام حسن بن زیاد ہیں۔

☆ تیسری صدی کے مجدد قاضی ابوالعباس شافعی، امام ابوالحسن اشعری اور امام محمد بن جریر طبری ہیں۔

☆ چوتھی صدی کے مجدد امام ابوبکر بن باقلانی اور امام ابوحامد اسفرائنی ہیں۔

☆ پانچویں صدی کے مجدد قاضی فخر الدین حنفی اور امام ابوالحامد محمد بن محمد غزالی شافعی ہیں۔

☆ چھٹی صدی کے مجدد امام فخر الدین محمد بن عمر ضیاء الدین رازی ہیں۔

☆ ساتویں صدی کے مجدد امام تقی الدین بن دقیق ہیں۔

☆ آٹھویں صدی کے مجدد امام زین الدین عراقی، علامہ شمس الدین جزری اور علامہ سراج الدین بلقینی (استاذ گرامی امام جلال الدین سیوطی) ہیں۔

☆ نویں صدی کے مجدد امام حافظ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر سیوطی شافعی اور امام شمس الدین سخاوی ہیں۔

☆ دسویں صدی کے مجدد امام شہاب الدین رملی اور علامہ علی بن سلطان محمد القاری ہیں۔

☆ گیارہویں صدی کے مجدد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہیں۔

☆ بارھویں صدی کے مجدد اورنگ زیب عالمگیر اور شاہ کلیم اللہ چشتی ہیں۔

☆ تیرھویں صدی کے مجدد شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ہیں۔

چودھویں صدی کا جلیل القدر مجدد

علمائے اسلام کے بیان فرمودہ اصول کے مطابق اگر اہل حق موجودہ صدی کی فضائے اسلام پر نگاہ ڈالیں تو انہیں مجددیت کا ایک درخشاں آفتاب اپنی نورانی شعاعوں سے بدعت وردت کی تاریک دبیز تہوں کو چیرتا ہوا نظر آئے گا، جس کی بے مثل تابانی سے ایک عالم چمک دمک رہا ہے اور وہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا الشاہ امام محمد احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ بابرکات ہے۔ اس لیے کہ آپ کی ولادت 10 شوال المکرم 1272ھ میں اور وصال 25 صفر المظفر 1340ھ میں ہوا۔ آپ نے تیرہویں صدی کا عرصہ 28 سال، دو مہینے اور 20 دن پایا، جس میں آپ کے علوم وفنون، درس وتدریس، تالیف وتصنیف، وعظ وتقریر کا شہرہ ہندوستان سے عرب شریف تک پہنچا اور چودھویں صدی کا عرصہ 39 سال، ایک مہینہ اور 25 دن پایا، جس میں آپ نے حمایت دین، نکایت مفسدین، احقاق حق وازہاق باطل، اعانت سنت واماتتِ بدعت کے فرائض منصبی کو کچھ ایسی خوبی اور کمال کے ساتھ انجام دیا، جو آپ کے عظیم المرتبت مجدد ہونے پر شاہد عادل ہے۔

؎ اس نے دین کی تجدید کا جھنڈا اٹھایا تھا
نشان حقانیت کا جس کو مالک نے بنایا تھا

آپ کی علمی خدمات سے کون واقف نہیں ہے۔ آپ کی تصانیف کا شمار ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ ائمہ متاخرین میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (مجدد قرن عاشر) کے بعد کسی کے متعلق نہیں سنا گیا کہ وہ کثرت تصانیف میں اعلیٰ حضرت کا مقابل ہو۔

؎ نور چشم بوحنیفہ، اہل سنت کا امام
ہے مجدد اس صدی کا اور محقق لاکلام

جس وقت آپ کے درس وتدریس کا غلغلہ بلند ہوا تو سہانپور اور دیوبند کے مدارس سے کئی طلبہ حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے بریلی شریف اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ درسگاہ رضویہ کے طلبہ انہیں دیکھ کر سخت متعجب ہوئے کیونکہ

اعلیٰ حضرت اگرچہ علم وفن کے آفتاب اور فضل وکمال کے ماہتاب تھے، لیکن وہابی علماء سے تو یہ امید ہی نہیں کہ وہ اعلیٰ حضرت جیسے وہابیت کے بت کو پاش پاش کرنے والے کی علمی خوبیوں کا سیدھے الفاظ میں اس طرح اعتراف کرتے ہوں کہ ان کے طلبہ میں آپ سے علم حاصل کرنے کا شوق بیدار ہوا ہو۔ چنانچہ درسگاہ رضویہ کے طلبہ نے اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے آنے والے طالب علموں سے دریافت کیا کہ آپ حضرات دیوبند اور سہانپور کو چھوڑ کر بریلی کیسے آگئے حالانکہ وہاں اس سے زیادہ بڑے مدارس ہیں اور پڑھائی بھی زیادہ ہے؟ انہوں نے کہا ''یہ تو صحیح ہے کہ مدارس دیوبند وغیرہ میں اعلیٰ حضرت کی مدح وثناء نہیں ہوتی لیکن جب کبھی وہابی علماء کے درمیان اعلیٰ حضرت کا تذکرہ چل پڑتا تو ان کی گفتگو کا حرف آخر یہی ہوتا کہ ''کچھ بھی ہو مولانا احمد رضا قلم کے بادشاہ ہیں۔ جس مسئلہ پر قلم اٹھا دیا پھر نہ موافق کو ضرورت افزائش رہتی ہے اور نہ مخالف کو دم زدن کی گنجائش ہوتی ہے''۔ بس اعلیٰ حضرت کا یہی وصف ہے کہ جو ہم لوگوں کو دیوبند وسہانپور سے کھینچ کر بریلی لے آیا۔ دیوبند وسہانپور کو اسی طرح چھوڑ کر ہزاروں طلباء بریلی پہنچے نیز گنگوہ کے فارغ التحصیل علماء بھی بریلی آ کر علم حاصل کرتے۔

عربی کا مشہور مقولہ ہے:

الفضل ماشهدت به الاعداء

''حق وہ ہے، جو باطل پرستوں سے اپنا کلمہ پڑھوا چھوڑے۔''

مولانا حسنین رضا خان (ابن مولانا حسن رضا خان) لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت قبلہ کے فیضانِ مجددیت کا ظہور ۱۳۰۱ھ کے آغاز سے ہوا، یہ واقعہ ذرا تفصیل طلب ہے، واقعہ یہ ہے کہ ہمارے چچا مولوی محمد شاہ خان عرف نتھن خان مرحوم سوداگری محلے کے قدیم باشندے تھے اور اعلیٰ حضرت سے عمر میں ایک سال بڑے تھے، بچپن ایک ساتھ گزرا، ہوش سنبھالا تو ایک ہی جگہ نشست و برخاست رہی۔ ایسی حالت میں آپس میں بے تکلفی ہونی ہی تھی۔ ان کو اعلیٰ حضرت نتھن بھائی جان کہتے اور بڑے ہونے کا لحاظ بھی فرماتے، نتھن خان ذی علم، خوشحال اور زمیندار آدمی تھے اور

سفر وحضر میں اکثر اعلیٰ حضرت کے ہمراہ ہی ہوتے بلکہ اعلیٰ حضرت نے جب بہار وکلکتہ کا سفر کیا تو ننھن میاں بھی ساتھ رہے، میں نے اپنے ہوش سے انہیں اعلیٰ حضرت کی صحبت میں خاموش اور مؤدب بیٹھے دیکھا، انہیں اگر کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو دوسروں کے ذریعے دریافت کراتے۔ میں مدتوں سے یہی دیکھ رہا تھا، ایک روز میں نے چچا سے عرض کیا کہ اعلیٰ حضرت تو آپ کی بزرگی کا لحاظ کرتے ہیں مگر آپ ان سے اس قدر کیوں جھجکتے ہیں کہ مسئلہ بھی خود نہیں دریافت کرتے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہم اور وہ بچپن سے ساتھ رہے، ہوش سنبھالا تو نشست و برخاست ایک ہی جگہ ہوتی، نمازِ مغرب پڑھ کر ہمارا معمول تھا کہ ان کی نشست گاہ میں آ بیٹھتے، سیّد محمود شاہ صاحب وغیرہ چند ایسے احباب تھے کہ وہ بھی اس صحبت میں روزانہ شرکت کرتے، عشاء تک مجلس گرم رہتی، اس مجلس میں ہر قسم کی باتیں ہوتیں، علمی مذاکرے، دینی مسائل اور تفریحی قصے بھی ہوتے، جس دن محرم الحرام ۱۳۰۱ھ کا چاند نظر آیا۔ اس دن حسبِ معمول ہم سب بعد نمازِ مغرب اعلیٰ حضرت کی نشست گاہ میں آ گئے۔ اعلیٰ حضرت خلافِ معمول کسی قدر دیر سے پہنچے، سلام علیک کے بعد بیٹھ گئے، کچھ اور لوگ بھی تھے، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ ننھن بھائی جان! آج ۱۳۰۱ھ کا چاند نظر آ گیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے بھی دیکھا ہے، بعض اور ساتھیوں نے بھی چاند کا دیکھنا بیان کیا، اس پر فرمایا کہ بھائی صاحب! یہ تو صدی بدل گئی۔ میں نے عرض کیا کہ صدی تو بے شک بدل گئی۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ اب ہم آپ کو بھی بدل جانا چاہیے۔ یہ فرمانا تھا کہ ساری مجلس پر ایک سکوت طاری ہو گیا اور ہر شخص اپنی جگہ بیٹھا رہ گیا پھر کسی کو بولنے کی ہمت نہ ہوئی، کچھ دیر سب خاموش بیٹھے رہے۔ اعلیٰ حضرت اُٹھے اور سلام علیک کے بعد چلے گئے پھر سب فرداً فرداً چلنے لگے، اس وقت تو کوئی بات سمجھ میں نہ آئی کہ یکایک اس رعب چھانے کا سبب کیا ہوا۔ دوسرے روز بعد فجر جب سامنا ہوا اور ان کے مجددانہ رعب وجلال سے واسطہ پڑا تو یاد آیا کہ انہوں نے جو بدلنے کو فرمایا تھا تو وہ خدا کی قسم، ایسے بدلے کہ کہیں سے کہیں پہنچ گئے اور ہم جہاں تھے وہیں رہے۔ وہ دن ہے اور آج

کا دن کہ ہمیں ان سے بات کرنے کی ہمت ہی نہ ہوئی بلکہ اس اہم تبدیلی پر ہم نے تنہائی میں بارہا غور کیا تو بجز اس کے کوئی بات سمجھ میں نہ آئی کہ ان میں منجانب اللہ اس دن سے کوئی بڑی تبدیلی کردی گئی ہے' جس نے انہیں بہت اونچا کردیا ہے اور ہم جس سطح پر پہلے تھے وہیں اب ہیں۔ ہاں! جب دنیا انہیں مجدد المائۃ الحاضرہ کے نام سے پکارنے لگی تو سمجھ میں آیا کہ یہ وہی تبدیلی تھی جس نے ہمیں اتنے روز حیران رکھا"۔

ہندوستان میں انگریز کی آمد اور باطل فرقوں کا ظہور

وہ قصے اور ہوں گے' جن کو سن کر نیند آتی ہے
تڑپ جاؤ گے' کانپ اٹھو گے سن کر داستان ان کی

ہندوستان میں انگریز کی آمد اور پھر برطانوی حکومت کی فتح یابی کے بعد انہوں نے اپنی فرماں روائی کو مضبوط و مستحکم کرنے کیلئے قیامت خیز فتنہ سامانیوں اور بدترین شرانگیزیوں کا آغاز کیا۔ انگریزوں کی اس انتہائی بھیانک سازش "لڑاؤ اور حکومت کرو" سے ہر ہندوستانی واقف ہے۔ مسلمانوں کا اتحاد و اتفاق اور ایمانی قوت برطانوی حکومت کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ مسلمانوں کا استحکام دینی اور ملی شیرازہ ان کی آنکھ کا سب سے بڑا کانٹا تھا۔ انہوں نے پیہم تلاش و جستجو کے بعد اس حقیقت کو اچھی طرح پالیا تھا کہ مسلمانوں کے دینی اتحاد اور جہاد کے جوش و جنون کا بنیادی سررشتہ مدنی تاجدار احمد مختار ﷺ کے دربار گوہر بار سے ملتا ہے۔ ان کی دینی و ملی عظمت و شوکت کا تاج محل عشق رسول اور محبت اولیاء کی بنیادوں پر قائم ہے۔ ان کے ملی شیرازے کو بکھیرنے اور دینی شان و شوکت کو منہدم کرنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ ان میں سے کچھ ایسے ضمیر فروشوں کو منتخب کیا جائے' جو قرآن و حدیث کی نت نئی تعبیریں کرکے اخلاص پیشہ مسلمانوں کے دلوں سے عشق رسول اور عظمت اولیاء کو ختم کردیں۔ یہ سازش مسلمانوں میں اختلاف و انتشار کا باعث ہوگی اور برطانوی حکومت کے استحکام کا سبب بھی۔

چنانچہ انگریز نے اپنی اسلام دشمن سازش کو عملی جامہ پہنانے کیلئے سرزمین ہند سے

کچھ دین فروش علماء اور ضمیر فروش لیڈروں کا انتخاب کیا۔ جبکہ اکثر و بیشتر مقامات پر ان کی کمندیں ناکام بھی ثابت ہوئیں، لیکن جب دہلی کے مشہور شاہ ولی اللّٰہی خاندان سے مولوی اسماعیل دہلوی پر جال پھینکا تو وہاں سے ان کو امید سے زیادہ کامیابی و کامرانی حاصل ہوئی۔ دولت اور اقتدار کا لالچ دے کر انگریز نے دہلوی جی کے فکر و نظر اور زبان و قلم کا سودا کرلیا۔ مولوی اسماعیل دہلوی نے بلاکسی تاخیر اور پس و پیش کے برطانوی حکومت کے طے شدہ خطوط کے مطابق اپنے کام کا آغاز کردیا۔ مولوی اسماعیل نے اپنے ساتھ کچھ ضمیر فروش علماء، اور جہلاء کو بھی لے لیا۔ ان میں سید احمد رائے بریلوی اور مولوی عبدالحی بڈھنوی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جنہوں نے برطانوی حکومت کو مستحکم کرنے کیلئے سر دھڑ کی بازی لگادی اور اپنا دین و ایمان تک بیچ ڈالا۔

؎ یہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتے نہیں ذرا
روحِ محمد کو ان کے بدن سے نکال دو

یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ وہابی اور دیوبندی تحاریک سے قبل ہندوستانی مسلمان اپنے قدیم مذہب اور متوارث روایات و معمولات پر پوری سختی کے ساتھ کاربند تھے۔ ان متصلب حنفی اہل سنت و جماعت میں کسی نئے مذہب کی بنا ڈالنا اور خود ساختہ عقائد کو پھیلانا ہندوستانی مسلمانوں میں شدید اختلاف و انتشار کی آگ لگانے کے مترادف تھا۔

فرق باطلہ اور علمائے حق

مولوی اسماعیل دہلوی نے برطانوی مقاصد کی تکمیل کیلئے تقویۃ الایمان (المعروف تفویۃ الایمان) کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ کتاب کیا لکھی، یوں سمجھیں کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی علیہ ما یستحقہ کی رسوائے زمانہ کتاب ''کتاب التوحید'' کا دوسرا نام ''تقویۃ الایمان'' تھا۔ کتاب التوحید عربی میں تھی، مولوی اسماعیل نے اس کا اردو ترجمہ کرکے اس کا نام تقویۃ الایمان رکھ دیا۔ پوری کی پوری کتاب میں وہی گندے مندے، غلیظ و پلید مسائل اور کفر و شرک سے ملمع و مرصع باتیں، جو کتاب التوحید میں تھیں، انہیں

وضاحت کے ساتھ تقویۃ الایمان میں لکھا گیا اور مسلمانوں کے سچے عقائد واعمال کو بڑی بے دردی کے ساتھ پامال کر دیا گیا۔ یارسول اللہ، یاغوث الاعظم پکارنا، اپنے لڑکے کا نام عبدالنبی، نبی بخش، غلام محی الدین وغیرہ نام رکھنا، میلاد شریف کی مجالس قائم کرنا، کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام پڑھنا، حضور ﷺ کو غیب دان، حاضر وناظر، نور وغیرہ ماننا، اولیاء اللہ سے استمداد واستعانت وغیرہ عقائد کو کفریہ اور شرکیہ عقائد کہا گیا اور ان کے کرنے والوں کو بلا روک ٹوک کافر ومشرک کہا گیا اور شان خداوندی وبارگاہ مصطفوی میں شدید ترین گستاخیاں کی گئیں۔ تقویۃ الایمان سے اس کے مصنف اور اکابر دیوبند کو جو توقعات وابستہ تھیں وہ بدرجہ اتم پوری ہوئیں اور اس کے شائع ہوتے ہی ہندوستان کے شہر شہر، گھر گھر، نگر نگر، ڈگر ڈگر میں کہرام مچ گیا۔ ہر طرف سے اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان کی مخالفت ہونے لگی خصوصاً علامہ فضل حق خیر آبادی، فرزندان شاہ عبدالعزیز دہلوی، (علامہ فضل حق خیر آبادی کے شاگرد اور مولانا ابوالکلام آزاد کے والد کے نانا) مولانا منور الدین، مولانا سعید احمد نقشبندی مجددی، مفتی صدر الدین آزردہ، مولانا کریم دہلوی، شاہ فضل رسول بدایونی اور دیگر علماء نے اسماعیل دہلوی کے خلاف کتابیں لکھ کر اس کا خوب ردوابطال کیا۔ (ابوالکلام آزاد کے والد) مولانا خیر الدین دہلوی نے دس جلدوں میں تقویۃ الایمان کے رد میں بزبان عربی ایک کتاب لکھی۔ علاوہ ازیں مولانا منور الدین کا مولوی اسماعیل دہلوی اور مولوی عبدالحی بڈھنوی کے ساتھ جامع مسجد دہلی میں شہرہ آفاق مناظرہ ہوا، جس میں مولانا منور الدین نے دہلوی صاحب کو ان کے سوالات کے ایسے دندان شکن جواب دیئے کہ دہلوی صاحب کو شکست فاش ہوگئی۔ پھر علمائے اہل سنت نے تقاریر میں اس کے کفریات وضلالات سے مسلمانوں کو خبردار کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقویۃ الایمان کے اثرات تقریباً معدوم ہوگئے۔

مگر بدقسمتی سے انہیں ایام میں 1857ء کا وہ بھیانک حادثہ رونما ہوا کہ جس نے ہندوستان سے مسلمانوں کے رہے سہے اقتدار کا جنازہ نکال دیا اور پورے ملک پر درۂ خیبر سے لے کر راس کماری تک وہابیوں کے آقایان نعمت انگریزوں کا تسلط قائم ہوگیا۔

چونکہ 1857ء کی ناکام جنگ آزادی کے ہیرو علمائے اہل سنت ہی تھے، اس لیے تسلط کے بعد انگریزوں نے مسلمانان اہل سنت پر ایسے مظالم ڈھائے کہ انہیں [٦١] برسہا برس سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا۔

ادھر انگریزوں نے اپنا دوسرا وار کیا اور مولوی قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اور مولوی اشرف علی تھانوی ان کے جال میں پھنس گئے۔ اس مرتبہ انہیں دوہری کامیابی حاصل ہوئی۔ ان خبیث مولویوں نے مولوی اسماعیل دہلوی کی سیٹ سنبھالی اور انگریزوں کے سایہ عاطفت میں پلتے رہے اور امت میں کفر و شرک اور بدعقیدگی کا زہر بھرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ 1282ھ / 1886ء میں دینی تعلیم کے نام سے دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا گیا، جس کے لیے یہ لوگ سادہ لوح مسلمانوں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالتے رہے اور انہیں کے بچوں کو اس میں تعلیم کے نام سے بلا بلا کر وہابیت کے ناپاک اور غلیظ جراثیم کا انجکشن لگاتے رہے۔ جب انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ ہمارے پاؤں کافی حد تک جم گئے ہیں اور ہمارے دینی لبادے کے جال میں پھنس کر ایک معتدبہ طبقہ ہمارے گرد جمع ہو گیا ہے تو ترکش کے اخیر تیر نکالنے شروع کر دیئے۔

بانیٔ مدرسہ دیوبند مولوی قاسم نانوتوی نے ایک کتاب بنام "تحذیر الناس" لکھی، جس میں اس نے صاف صاف حضور اقدس ﷺ کے آخر الانبیاء ہونے کا انکار کر دیا۔ یہی وہ نظریہ تھا کہ جس نے مرزا غلام احمد قادیانی جیسے منکر و لعین شخص کو نبوت کا دعویٰ کرنے کی ترغیب دی اور وہ اس نظریے کے تحت پروان چڑھتا رہا، جس کے نتیجے میں ایک نیا فتنہ عظیمہ قادیانی مذہب کے روپ میں ظاہر ہوا۔ تحذیر الناس جہاں بھی پہنچی وہاں کے علمائے حق نے اس سے بیزاری ظاہر کی اور اس کا تحریری و تقریری ہر طریقے سے ردّ کیا، جن میں مولانا ہدایت علی بریلوی، مولانا عبدالصمد سہسوانی، مولانا عبدالغفار اور علمائے بدایوں بکثرت شامل ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا محمد شاہ پنجابی اور مولوی قاسم نانوتوی کے مابین دہلی میں ایک تحریری مناظرہ ہوا جس میں مولوی قاسم کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

تحذیر الناس پر مسلمانوں میں جو بے چینی تھی، وہ ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ 1303ھ میں مولوی رشید احمد گنگوہی نے "براھین قاطعہ" لکھ کر اپنے مرید خلیل احمد انبیٹھی کے نام سے شائع کروادی، جس میں ان سارے معمولات و مشغولات کو جو اس وقت پوری دنیا کے مسلمانوں میں رائج تھے، شرک و بدعت، حرام، گناہ کہا بلکہ یہاں تک جرأت کا مظاہرہ کیا کہ میلاد النبی ﷺ کو کنہیالال کے جنم کے سانگ سے تشبیہ دی اور فاتحہ خوانی کے وقت قرآن مجید کی آیات اور سورتیں پڑھ کر فاتحہ دینے کو ویڈ پڑنتھ کہہ دیا۔ مولوی اسماعیل دہلوی قتیل کے بعد مولوی رشید احمد گنگوہی نے اس سبوح و قدوس عزوجل کے لیے امکان کذب کے ناپاک قول کہنے کی جرأت کی، اس میدان میں گنگوہی صاحب مولوی اسماعیل سے بھی چار قدم آگے بڑھ گئے حتیٰ کہ شیطان لعین کے علم ناپاک کو حضور ﷺ کے علم پاک سے زیادہ وسیع مانا.... وغیرہ۔ اس کتاب کے چھپتے ہی ایک عام بے چینی اور شورش پیدا ہوگئی۔ یہ کتاب چونکہ مولوی خلیل احمد کے نام سے چھپی تھی جو کہ اس وقت پنجاب ریاست بہاولپور میں ملازم تھے اور تقیہ کیے ہوئے سنی بنے ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے بہاولپور ریاست کے مدرسے میں مدرس بھی بنائے گئے تھے۔ مولوی خلیل احمد، مولانا غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ کے خاص دوستوں میں سے بھی تھے۔ جب براھین قاطعہ کی اطلاع مولانا غلام دستگیر صاحب کو ہوئی اور وہ اس کے شرمناک کرتوتوں سے واقف ہوئے تو انہوں نے بہاولپور جاکر انبیٹھی صاحب کو سمجھایا مگر وہ نہ مانے، جس کے نتیجے میں اسی براھین قاطعہ کے گمراہ کن مضامین پر بہاولپور میں ہی نواب بہاولپور محمد صادق عباسی کی نگرانی میں حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کے درمیان تحریری مناظرہ ہوا۔ اس مناظرے میں انبیٹھی صاحب کو شکست فاش ہوئی۔ مناظرے کے صدر شیخ المشائخ مولانا شاہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فیصلہ دیا:

> "یہ یعنی خلیل احمد وغیرہ وہابی ہیں اور اہل سنت سے خارج ہیں۔"

صدر مناظرہ نے انبیٹھی صاحب کو شہر بدر کرنے کا فیصلہ دے دیا۔ اس فیصلے کے

بعد انیٹھی صاحب کو بہاولپور ریاست سے نکال دیا گیا۔ اس تاریخی مناظرہ میں تو دیوبندی ہار گئے اور شہر بدر بھی کر دیئے گئے مگر دیوبند اور سہانپور کے مدارس سے جو رنگروٹ تیار ہوتے رہے، وہ بہرحال دیوبندی اعتقادیات اور نظریات کی اشاعت کرتے رہے، جس سے ملک کی فضا معتدل ہونے کی بجائے مسموم ہوگئی۔

ابھی تحذیر الناس اور براھین قاطعہ کے ذریعے لگائی ہوئی آگ بھڑک رہی تھی کہ دیوبندی مذہب کے قطب الارشاد مولوی رشید احمد گنگوہی نے اللہ تعالیٰ کے لیے ”وقوع کذب“ کے معنیٰ کو درست قرار دینے کے ساتھ ساتھ کہا کہ اس کے قائل کو تضلیل و تفسیق سے مامون رکھنا چاہیے وہ اہل سنت سے خارج نہیں اور اسے کوئی سخت کلمہ بھی نہ کہنا چاہیے۔ اس فتوے پر پورے ملک میں کہرام مچ گیا۔ میرٹھ، بمبئی، پٹنہ آباد اور گجرات وغیرھا علاقہ جات سے اس کا ردّ شائع ہوا مگر ان کے پتھر دلوں پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ اپنی ہٹ دھرمی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے باطل اور بے شرم عقیدے پر کاربند رہے۔

ڈھیٹ اور بے شرم دنیا بھر میں دیکھے ہیں بہت
سب پہ سبقت لے گئی ہے بے حیائی آپ کی

ان بھڑکتے ہوئے شعلوں میں کوئی کمی نہ ہونے پائی تھی کہ اس مذہب کے حکیم الامت اور دیوبندی مدرسے کے فارغ التحصیل مولوی اشرف علی تھانوی نے حفظ الایمان (المعروف خبط الایمان) لکھ کر مسلمانوں کے ماحول کو آتش فشاں بنا دیا اور شرق وغرب میں آگ پھیل گئی۔ پورا ملک اس کی لپیٹ میں آ گیا۔ ہر طبقے کے علماء نے اس کا ردّ لکھا۔ اور اسے راہ راست پر آنے اور اپنی گستاخانہ عبارات سے توبہ کرنے کی ہزار ہا تلقین کی لیکن مولوی تھانوی اور دیگر اکابر دیوبند کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

1857ء میں جب انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ہندوستانی حضرات ڈٹ گئے اور پیشوایان اہل سنت جیسے رئیس الاحرار مولانا شاہ فضل حق خیرآبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا فضل رسول بدایوانی اور حکیم مفتی ولی اللہ فرخ آبادی رحمتہ اللہ علیہم

اجمعین اور دیگر علمائے برصغیر نے انگریزوں کے خلاف فتوائے جہاد کا اعلان فرما کر ملک بھر میں ایک تازہ جوش و خروش پیدا کر دیا۔ نوجوان مسلمانوں میں اسلامی روح پھونک کر انگریزی حکومت کا قافیہ تنگ کر دیا۔ قریب تھا کہ انگریزی حکومت کا چراغ ہندوستان سے ہمیشہ کیلئے گل ہو جائے کہ اتنے میں انگریزوں نے اپنے کچھ ہندوستانی وفاداروں، آلہ کاروں اور ایجنٹوں کے ذریعے مکر و فریب کا خوفناک غار تیار کروایا اور اس میں جنگ آزادی کے مجاہدین کو دھکیل دیا۔ پھر تو ان ہندوستانی غداروں کی بدولت انگریز کا اکھڑا ہوا قدم دوبارہ ہندوستان میں کچھ دن کیلئے جم گیا لیکن چونکہ بہادر انگریز شاہ فضل حق خیرآبادی اور دیگر علماء کے اعلان جہاد کو سن کر کانپ جایا کرتے تھے، اس لیے انہوں نے غور کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ مولوی اسماعیل دہلوی کا کلکتہ والا فتویٰ تو اب فرسودہ ہو چکا ہے اور پھر وہ صرف ''مولوی'' ہی کہلاتے تھے۔ لہٰذا اب کسی نام نہاد پیغمبر کے ذریعے اعلان کروا دیا جائے کہ جہاد کا حکم ہی ختم ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس کام کے لیے انگریزوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کا انتخاب کیا۔ مرزا نے آہستہ آہستہ مذہبی تقریریں شروع کر دیں اور انگریز کی سرپرستی میں کام کرتا رہا۔ اس نے اپنے آپ کو بڑا عالم اور محدث ظاہر کیا، پھر مجدد بنا، پھر مہدی اور مسیح موعود بنا اور جب راہ کچھ ہموار ہو گئی 1901ء میں آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی لعین و خبیث نے نبی و رسول ہونے کا دعویٰ بھی کر دیا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کی شان میں شدید گستاخیاں کیں اور رسول اللہ ﷺ کی اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام و اصحاب کبار رضی اللہ عنہم کی بارگاہ بے کس پناہ میں جی بھر کے ہرزہ سرائی کی۔ قرآن و حدیث کی توہین کی اور اپنے نہ ماننے والوں کو گندی اور غلیظ گالیاں بکیں۔ انگریزوں کے تربیت یافتہ بناوٹی نبی کے گستاخانہ عقائد نے مسلمانوں میں قیامت صغریٰ برپا کر دی۔ ہر طرف سے اس کی مخالفت ہونے لگی۔ علماء نے اس کا رد کیا۔ مباحثوں اور مناظروں کے چیلنج ہونے لگے۔ خصوصاً اعلیٰ حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا تعاقب کیا اور اسے پہلے تقریری مناظرے کی دعوت دی۔ وہ اس پر نہ مانا تو پھر تحریری مناظرے کی دعوت پر بھی طرح طرح کے بہانے بناتا رہا اور مناظرہ نہ کیا۔

اعلیٰ حضرت گولڑوی نے مرزا قادیانی کے خلاف دو کتابیں ''سیف چشتیائی'' اور ''شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح'' لکھیں اور اپنے دلائل قویہ کی بھرمار سے قادیانیت کا جنازہ نکال دیا۔

مجدد اعظم اور باطل فرقوں کا قلع قمع

اب جب کہ پورے ہندوستان کی فضا وہابیت' دیوبندیت' قادیانیت و دیگر باطل فرقوں کی تیز و تند آندھیوں سے غبار آلود ہو چکی تھی۔ الحاد و بے دینی کی گھٹا ٹوپ تاریکی چاروں طرف چھا چکی تھی۔ بدمذہبی اور بدعقیدگی کی کالی کالی گھٹاؤں نے ایمان و ہدایت کی روشنی کو ڈھانپ رکھا تھا۔ خود ساختہ مفکرین اسلام اپنی تاویلات سے اسلامی مسائل اور شرعی احکام کی اصلی شکلیں بگاڑ چکے تھے۔ محدث اور مولوی کہلانے والے اللہ قدوس و سبوح کی ردائے عظمت پر جھوٹ کا دھبا لگا رہے تھے۔ مولانا اور مفتی بننے والے حضور اقدس سرورِ عالم ﷺ کے دامن اقدس پر بے ادبی اور گستاخی کا کیچڑ اُچھال رہے تھے۔ دین کے ڈاکو مسلمانوں کا متاع ایمان لوٹتے جا رہے تھے۔ مذہب کے بھیڑیے مصطفیٰ پیارے ﷺ کی بھولی بھالی بھیڑوں پر مسلسل حملے کیے جا رہے تھے۔ تو ان حالات میں مقدس اسلام کو ایک ایسے مجدد اعظم کی ضرورت تھی جو حضور سراپا نور سید انبیاء ﷺ کا سچا وارث بن کر اپنی نورانی کرنوں سے بدمذہبی کی کالی گھٹاؤں کو تتر بتر کر دے۔ جو جلال موسیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا پرتو بن کر اللہ تعالیٰ کی ردائے عظمت پر جھوٹ کا دھبا لگانے والوں کو جلا کر راکھ کر دے۔ جو حضور اقدس سرور عالم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والوں پر قہر الٰہی کی بجلی بن کر گرے۔ جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نائب بن کر اپنے قلمی تلوار سے تھانوی اور پنجابی مسیلمہ کذاب کو موت کے گھاٹ اتار دے۔ جو امام اعظم ابوحنیفہ کا آئینہ بن کر اسلامی مسائل اور شرعی احکام کے چہروں سے گرد و غبار صاف کر کے ان کو اپنی اصلی شکل میں پیش کرے۔ جو حضور غوث اعظم شہنشاہ بغداد کا مظہر بن کر الحاد کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں کو چیر دے۔ جو اپنے زمانے کا امام ابومنصور ماتریدی اور امام ابوالحسن اشعری بن کر ڈارون اور نیوٹن کے فلسفے کا شیشہ چکنا چور کر دے اور نیچریت

کی کھال ادھیڑ کر رکھ دے۔ جو آفتاب رشد و ہدایت بن کر وہابیت کی تیز و تند آندھیوں کا مقابلہ کرے۔ جو دین کا بادشاہ بن کر ایمان کے ڈاکوؤں کا بھیجا نکال کر باہر کر دے۔ جو محمدی کچھار کا شیر بن کر مذہبی بھیڑیوں کا قلع قمع کر دے۔ جو اپنے تجدیدی کارناموں سے امت مرحومہ کا دین تازہ اور حضور اقدس سید عالم ﷺ کی مردہ سنتوں کو زندہ کر دے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صاحب لولاک ﷺ کی بات (ان اللّٰہ یبعث ......) بھی سچ فرما دی اور اپنے مقدس دین کی حفاظت و حمایت کیلئے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی کو پیدا فرمایا اور آپ مسند ارشاد و ہدایت پر متمکن ہوئے۔ بس پھر

کلک رضا ہے خنجر خونخوار و برق بار
اعداء سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

یوں تو اعلیٰ حضرت نے اسلام و سنیت کی جملہ مخالف پارٹیوں کا رد فرمایا لیکن وہابیت اور دیوبندیت کی سرکوبی اور پیشوایانِ وہابیہ کے عقائد باطلہ کی بیخ کنی پر آپ نے سب سے زیادہ توجہ فرمائی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کھلے کفار و مشرکین مثلاً فلاسفہ و آریہ یہود و نصاریٰ، مجوس و ہنود۔ کے پہچاننے میں عام مسلمانوں کو کوئی دشواری نہ تھی اور روافض کی مسجد و عیدگاہیں اور دیگر مذہبی چیزیں پہلے ہی الگ ہو چکی تھیں۔ قادیانی حضرات مرزا غلام احمد کو نبی بتا کر مسلمانوں سے جدا ہو چکے تھے۔ اس لیے ان دونوں فرقوں کا پہچاننا بھی مسلمانوں کے بس میں تھا۔ اب رہے وہابی اور دیوبندی تو چونکہ یہ لوگ اپنے آپ کو سنی کہلا کر حنفی ہونے کا دم بھرتے ہیں۔ قرآن و حدیث پر عمل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ عقائد و فقہ کی کتابوں کے ماننے کا اظہار و اقرار کرتے ہیں۔ سنی مسلمانوں جیسی نمازیں پڑھتے، روزے رکھتے اور حج کرتے ہیں۔ قادری، چشتی، نقشبندی اور سہروردی چاروں سلاسل کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ سلف و خلف کی تصنیفات کا اعتراف کرتے ہیں۔ قرآن و حدیث اور دینی کتب کے درس و تدریس کا شغل رکھتے ہیں۔ اس لیے ان

کی پہچان کرنا عوام المسلمین کے بس کا روگ نہ تھا۔ اہل سنت سے ان کا امتیاز کرنا اور ان کے اقوال کفر و ضلال کا پہچاننا، ان کے خیالات فاسدہ و عقائد باطلہ سے واقف ہونا عامۃ المسلمین کے لئے سخت دشوار کام تھا۔ ان حالات کے پیش نظر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دیوبندی مذہب کی کھال ادھیڑنے اور وہابی دھرم کی دھجیاں بکھیرنے میں کوشش بلیغ فرمائی۔ پیشوایان وہابیہ کے ایک ایک دجل و فریب کا پردہ چاک کیا۔ ان کے طرح طرح کے مکر و فریب کو بے نقاب کیا۔ کیونکہ

؎ میرے عبد المصطفیٰ احمد رضا تیرا قلم
دشمنانِ مصطفیٰ کے واسطے شمشیر ہے

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مولوی قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، مولوی اشرف علی تھانوی اور مرزا غلام احمد قادیانی کی کفریہ عبارات کی بڑی چھان پھٹک کی، ان کے ہر ہر گوشے کی خوب جانچ پڑتال کی، ان کے ایک ایک جوڑ و بند کی اچھی طرح دیکھ بھال کی، ان کے ظاہری و باطنی معنیٰ کی ایک طبیب حاذق کی طرح تشخیص و تنقیح فرمائی، ان کے قریب و بعید تمام پہلوؤں کو خوب ٹٹولا تاکہ کوئی سا بھی پہلو اگر اسلامی معنیٰ کا حامل ہو تو ان عبارات کے لکھنے والوں کی تکفیر نہ کی جائے۔ اس کے علاوہ آپ نے انہیں خطوط و رجسٹریاں بھی بھیجیں۔ کتابوں سے ان کا ہر طرح اتمامِ حجت کیا لیکن جب ہر طرح کی جانچ پڑتال اور تنقیح و تحقیق کے بعد یقینی طور پر متعین ہوا کہ عبارتوں کے یہ مردہ جسم روح اسلامی کے معنیٰ اور حیات ایمانی کے مفہوم سے بالکل خالی ہیں، ان عبارات کا کوئی پہلو بھی ایمان و اسلام سے موافقت کرنے کیلئے ہرگز تیار نہیں اور باوجود خطوط و رجسٹریاں بھیجنے اور تیس سال تک اتمام حجت کرنے کے بعد یہ لوگ اپنے کفر پر اصرار کرتے رہے، توہین و تنقیص کو ایمان و اسلام گردانتے رہے۔ اس لیے اعلیٰ حضرت اپنے معاصر علمائے دیوبند کی تکفیر پر مجبور ہوئے کیونکہ اگر آپ ان کی تکفیر نہ کرتے تو بحکم شریعت خود کافر ہو جاتے۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت نے المعتمد المستند جو 1321ھ / 1902ء میں تحفہ پٹنہ سے

شائع ہوا، میں فتویٰ شرعیہ صادر فرمایا کہ مولوی تھانوی، گنگوہی، نانوتوی، انبیٹھوی و قادیانی اپنی عبارات میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی تکذیب، حضور ﷺ کی توہین اور عقیدۂ دینیہ ضروریہ ختم نبوت کا انکار کرنے اور مرزا قادیانی دعوائے نبوت کے سبب بحکم شریعت اسلامیہ قطعاً یقیناً کافر و مرتد ہیں اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ان خبثاء کی عبارات کفریہ التزامیہ پر اسلامی نقطہ نظر سے بحث مکمل کر لینے کے بعد لکھتے ہیں:

> هٰؤُلَاءِ الطَّوَائِفُ كُلُّهُمْ كُفَّارٌ مُرْتَدُّوْنَ خَارِجُوْنَ عَنِ الْاِسْلَامِ بِاِجْمَاعِ الْمُسْلِمِيْنَ وَقَدْ قَالَ فِي الْبَزَّازِيَّةِ وَالدُّرَرِ وَالْغُرَرِ وَالْفَتَاوٰى الْخَيْرِيَّةِ وَمَجْمَعِ الْاَنْهُرِ وَالدُّرِّ الْمُخْتَارِ وَغَيْرِهَا مِنْ مُعْتَمَدَاتِ الْاَسْفَارِ فِيْ مِثْلِ هٰؤُلَاءِ مَنْ شَكَّ فِيْ كُفْرِهٖ وَعَذَابِهٖ فَقَدْ كَفَرَ۔
>
> ”یہ طائفے (یعنی مولویان نانوتوی، گنگوہی، انبیٹھوی، تھانوی، مرزا قادیانی اور ان کے ہم عقیدہ چیلے) سب کے سب کافر و مرتد ہیں۔ باتفاق امت اسلام سے خارج ہیں اور بے شک بزازیہ، درر، غرر، فتاویٰ خیریہ، مجمع الانہر اور درمختار وغیرہ معتبر کتابوں میں ایسے کافروں کے حق میں فرمایا کہ جو شخص ان کے عقائد سے آگاہ ہو کر ان کے کافر ہونے اور عذاب پانے میں شک کرے تو وہ بھی کافر ہے۔

(حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین ص108، المعتمد المستند 205)

؎ عمائد کفر کے جس نے سر میدان پچھاڑے تھے
علمبردار شان مصطفیٰ شیر خدا تم ہو

یہ اعلیٰ حضرت کی انتہائی دیانتداری اور کمال احتیاط تھی کہ 1323ھ / 1905ء میں جب آپ دوسری مرتبہ حج کرنے کیلئے گئے، تو آپ نے المعتمد المستند کی وہ ساری ابحاث، جو پیشوایانِ وہابیہ اور مرزا غلام احمد قادیانی کی عبارات کے بارے میں تھیں اور

اپنا فیصلہ شرعیہ، ان سب کو رسالہ مبارکہ حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین میں لکھ کر مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے اکابر علمائے اسلام کے سامنے جب تصدیق کیلئے پیش کیا تو کسی بھی مفتیِ شرع اور عالم دین نے آپ کے فتوے میں کوئی خامی نہ پائی بلکہ 33 علمائے مکہ و مدینہ نے آپ کے فتوائے مبارکہ کی تصدیق فرماتے ہوئے متفق علیہ اجماعی فتاویٰ صادر فرمائے کہ ایسی گندی کفریہ عبارات لکھنے کے سبب مرزا، نانوتوی، گنگوہی، انبیٹھوی اور تھانوی بحکم شریعت بلاشک و شبہ کافر و مرتد اور اسلام سے خارج ہیں اور پھر اس فتوائے مقدسہ کی تصدیق و توثیق پر ہی بس نہ کیا بلکہ ساتھ ہی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو عظیم وجلیل فضائل سے یاد کرتے ہوئے اپنا سردار و پیشوا تسلیم کیا۔

پھر جب اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حقانی فتویٰ غیر منقسم ہندوستان کے پیشوایانِ اسلام کے سامنے تصدیق کیلئے پیش کیا گیا، تو 268 مفسرین کرام، فقہائے عظام، محدثین عالی مقام، مفتیان فخام، علمائے اسلام اور مشائخ اعلام نے ''الصوارم الہندیہ'' (مطبوعہ برقی پریس، مراد آباد) میں تحریری طور پر فتوائے حسام الحرمین کی تصدیق کی اور اس کے بیان کردہ احکام شرعیہ سے اتفاق کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علم و دانش اور فضل وکمال کا کھلے طور پر اعتراف کیا۔

؎ وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار، وار سے پار ہے

اور

؎ جدھر اٹھتا تھا پائے رضا دشمن کٹتے جاتے تھے
ابھرتا تھا جہاں خورشید بادل چھٹتے جاتے تھے

اعلیٰ حضرت کی فرق باطلہ کے تعاقب میں شان احتیاط

مولوی رشید احمد گنگوھی نے امکان کذب باری تعالیٰ کا جو فتویٰ دیا تھا، اس کے رد میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے 1308ھ میں رسالہ ''سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح'' شائع فرمایا اور فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں گنگوھی صاحب کے

75 کفریات ثابت کرنے کے بعد بھی یہ فرماتے ہیں:

> ''حاج للہ حاش للہ ہزار بار حاش للہ میں ہرگز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا۔ ان مقتدیوں یعنی مدعیان جدید (مولوی گنگوہی وغیرہ) کو تو ابھی تک مسلمان ہی جانتا ہوں، اگرچہ ان کی بدعت و ضلالت میں شک نہیں۔'' (تمہید ایمان بآیات قرآن ص 134، فتاویٰ رضویہ 354/30)

مذکورہ کتاب کے تعلق سے امام احمد رضا نے ''حسام الحرمین'' میں لکھا ہے:

> ''یہ کتاب میں نے ان کو رجسٹرڈ ڈاک سے بھیجی جو ان کو مل گئی تھی اور ان کے یہاں سے کتاب کی وصولی کی رسید بھی آ گئی ہے، اس کو بھی گیارہ سال کا عرصہ گزر چکا ہے، مخالفین تین سال تک یہ جھوٹ اڑاتے رہے کہ جواب لکھا جائے گا، لکھا جاچکا ہے، چھپے گا، چھپنے کیلئے بھیج دیا ہے۔''

لیکن اتنے طویل عرصے کی مہلت میں بھی گنگوہی صاحب کو جواب لکھنے کی توفیق نہ ہوئی، بلکہ امکان کذب والے فتویٰ کو پوسٹر کی شکل میں شائع کیا لیکن امام احمد رضا محدث بریلوی نے اس اشتہار پر اعتماد نہ کیا۔ بالآخر گنگوہی صاحب کا لکھا ہوا اصل فتویٰ گنگوہی صاحب کے دستخط اور مہر کے ساتھ آیا اور آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور تحقیق کرنے کے بعد ہی آپ نے اس پر حکم شرعی بیان کیا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی فرماتے ہیں:

> ''مسلمانو! یہ روشن ظاہر واضح قاہر عبارات تمہارے پیش نظر ہیں جنہیں چھپے ہوئے دس دس اور بعض کو سترہ اور تصنیف کو 19 سال ہوئے اور ان دشنامیوں کی تکفیر تو اب چھ سال یعنی 1320ھ سے ہوئی ہے، جب سے المعتمد المستند چھپی۔ ان عبارات کو بغور نظر فرماؤ اور اللہ و رسول کے خوف کو سامنے رکھ کر انصاف کرو۔ یہ عبارتیں فقط ان مفتریوں کا افتراء ہی رد نہیں کرتیں بلکہ صراحۃً صاف صاف شہادت دے رہی ہیں کہ ایسی عظیم احتیاط والے نے ہرگز ان دشنامیوں کو کافر نہ کہا، جب تک یقینی، قطعی واضح

روشن جلی طور سے ان کا صریح کفر آفتاب سے زیادہ ظاہر نہ ہولیا، جس میں اصلاً اصلاً ہرگز ہرگز کوئی گنجائش کوئی تاویل نہ نکل سکی کہ آخر یہ بندہ خدا وہی تو ہے جو ان کے اکابر پر ستر ستر وجہ سے لزوم کفر کا ثبوت دے کر یہی تو کہتا ہے کہ ہمیں ہمارے نبی ﷺ نے اہل لا الٰہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے، جب تک وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو جائے اور حکم اسلام کے لیے اصلاً کوئی ضعیف محمل بھی باقی نہ رہے۔"

(تمہید ایمان بآیات قرآن ص60، سبحان السبوح عن عیب کذب مفتوح ص91، فتاویٰ رضویہ 355/30)

؎ دین کے ایمان و حرمت کے نگہبان زندہ باد
زندہ باد اے مفتی احمد رضا زندہ باد

علمائے دیوبند نے ملت اسلامیہ کے بیشمار لوگوں پر کافر و مشرک کا فتویٰ لگاتے وقت نہ تو کسی تاویل کی گنجائش پر غور کیا، نہ قائل و فاعل کی نیت کا اعتبار کیا، نہ لزوم کفر اور التزام کفر کا فرق محسوس کیا، بس ایک ہی بار میں بے دھڑک سے کفر کا فتویٰ دے دیا۔

اب امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی شان احتیاط دیکھیں کہ الکوکبۃ الشہابیہ فی کفریات ابی الوہابیہ میں مولوی اسماعیل دہلوی کے 70 کفریات ثابت کرنے کے بعد آپ فرماتے ہیں: "ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار (کافر کہنے) سے کف لسان (زبان کو روکنا) ماخوذ و مختار و مرضی و مناسب"۔

مولوی اسماعیل اور اس کے متبعین کے کفریات بوجوہ قاہرہ لزوم کفر کا ثبوت دے کر بھی امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لزوم کفر اور التزام کفر میں فرق ہے۔ اقوال کا کلمہ کفر ہونا اور بات اور قائل کو کافر مان لینا اور بات ہے۔ ہم احتیاط برتیں گے، سکوت کریں گے، جب تک ضعیف سا ضعیف احتمال ملے گا، حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے"۔ (سل السیوف الہندیہ علی کفریات بابا النجدیہ ص25، فتاویٰ رضویہ 354/30)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مولوی اسماعیل دہلوی قتیل کی تکفیر سے سکوت فرمانے کی چند وجوہات ہیں وہ یہ کہ مشہور تھا کہ مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنے انتقال کے وقت بہت

سے آدمیوں کے روبرو بعض مسائل تقویۃ الایمان سے توبہ کرلی تھی۔ جب اس طرح اگرچہ جھوٹی بات ہی عام شہرت اختیار کرجائے تو مفتی شریعت، قاضی شرع و عالم دین پر لازم ہے کہ وہ اس عام شہرت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی کو کافر کہنے سے سکوت اختیار کرے اور تکفیر سے کف لسان کرے۔ اس لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے سکوت فرمایا۔ دوسری وجہ سکوت کی یہ بھی ہے کہ مولوی دہلوی اور اعلیٰ حضرت کا زمانہ اور عہد ایک نہیں تھا۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مولوی اسماعیل پر اتمام حجت نہ کرسکے یعنی مولوی اسماعیل کو اس کی گستاخانہ عبارات پر دلائل شرعیہ کی روشنی میں مطلع اور آگاہ نہ کرسکے جیسا کہ علمائے دیوبند کو کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم و رسولہٗ۔

اہل سنت پہ ہے بار احسان تیرا
نائب مصطفیٰ شاہ احمد رضا
دوست دشمن کی تھی کچھ نہ ہم کو خبر
تو نے ظاہر کیا شاہ احمد رضا
دودھ کا دودھ پانی کا پانی کیا
کس نے تیرے سوا شاہ احمد رضا

اعلیٰ حضرت اور ملی تحاریک

رب کائنات نے ہر دور میں طوفانوں کا مقابلہ کرنے کیلئے پہاڑوں کی سی مضبوط استقامت رکھنے والی شخصیات پیدا فرمائی ہیں، جن کے عزم و ثبات کے سامنے طوفانوں کے تند ریلے دم توڑتے رہے۔ صحابہ کرام کے دور کے بعد امام اعظم ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل، امام شافعی، امام رازی، امام غزالی اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سب ایسے ہی پیکر عظمت و عزیمت تھے۔ اسی تابندہ اُفق کا ایک روشن آفتاب ماہتاب امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پُرفتن اور انگریز کے زیر تسلط دور حیات کے آخری زمانے میں کئی سیاسی تحریکیں آزادی ہند کے نام پر ابھریں، جن میں ''تحریک خلافت''، ''تحریک ترک موالات''، ''تحریک ہجرت''، ''تحریک گاؤ کشی'' اور ''تحریک پاکستان'' بڑی اہمیت کی حامل تھیں۔ ان تحاریک میں اعلیٰ حضرت اور آپ کے خلفاء و تلامذہ کا کردار بڑا جاندار اور ملی و قومی سلامتی کی بقا کے تقاضوں کے مطابق تھا، جس کی قائدین تحریک آزادی نے ہر موقع پر تعریف کی۔ لیکن بعض نام نہاد مؤرخین نے تعصب اور تنگ نظری سے تاریخ پاکستان رقم کی تو تاریخ پر گرد وغبار کے سیاہ بادل چھا گئے۔ حقائق و شواہد پامال ہو گئے۔ مخالفین پاکستان تاریخ کا کاربن پیپر بن کر سامنے آ گئے۔ انگریزوں کی کاسہ لیسی کرنے اور ہندو نوازی کا بین ثبوت دینے والوں کو اکابرین پاکستان کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ انگریز اور ہندو سامراج کے ایجنٹوں کو مسلمانوں کا رہنما بتایا گیا۔ آزادی کے ہیرو غدار کہلائے

جانے لگے۔ جن بزرگوں نے دو قومی نظریہ پیش کیا' انگریزوں اور ہنود کی ہر قدم پر شدید مخالفت کی اور تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار کیا تھا' تاریخ میں ان کا نام ونشان تک نہیں ہے۔ تاریخ کی ان مظلوم اور کشتہ اغیار شخصیات میں دنیائے اسلام کی عدیم المثال شخصیت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نام اسم گرامی سرفہرست ہے۔

1- تحریک خلافت اور ترک موالات

پہلی جنگ عظیم میں جب جرمنی اور اس کے اتحادی ترکی کو شکست ہوئی تو 14 مئی 1920ھ کو ترکی سے برطانیہ اور اس کے حلیفوں نے بمقام ''سان رومیو (فرانس)'' ایک معاہدہ کیا' جسے معاہدہ ''سیورے'' کہتے ہیں۔ برطانوی اتحادیوں نے ترکی کو نامناسب شرائط پر مجبور کر کے مندرجہ ذیل شرائط منوالیں:

1- سلطان ترکی اتحادیوں کی حمایت کے ساتھ قسطنطنیہ میں حکومت کرے گا۔

2- اتحادیوں کو یہ حق ہے کہ آبناؤں پر قبضہ کرلیں اور جب چاہیں ایشائی ترکی کے کسی حصے پر قابض ہو جائیں۔

3- ترکی کو توڑ کر آرمینہ کی ایک نئی مملکت قائم کی گئی' جس میں مندرجہ ذیل علاقے شامل کیے گیے' مشرقی ' ریاض' مردان' نیلس' ترامزون اور آذر بائیجان' اس اسلامی مملکت کی حدود قائم کرنے کے لیے امریکہ کو ثالث بنا دیا گیا۔

4- ترکی عرب ممالک کے متعلق اپنے تمام دعاوی سے دستبردار ہوگا۔

5- شام کی نگرانی فرانس کو' عراق اور اردن کی برطانیہ کو دی جائے گی' اٹلی' عدلیس بابا اور یونان' سمرنا اور مغربی اناطولیہ کو اپنے قبضہ میں لے لیں گے۔

(علی برادران از رئیس احمد جعفری)

ان حالات میں ہندوستان میں اسلامی درد رکھنے والے رہنماؤں نے آل انڈیا مسلم کانفرنس منعقدہ 22 ستمبر 1919ء کو ایک بھرپور اجلاس میں ''خلافت کمیٹی'' کی بنیاد رکھی۔ اس کا مقصد سلطنت ترکیہ کی سلامتی اور سلطان ترکی کو خلیفۃ المسلمین کی حیثیت

سے تسلیم کروانا تھا۔ لیکن جب مذکورہ بالا معاہدہ ہوا تو مسلمانانِ ہند کو بڑی تکلیف ہوئی۔ چنانچہ 28 مئی 1920ء کو بمبئی میں ''خلافت کمیٹی'' کا پہلا جلسہ ہوا' جس میں انگریز حکومت کے ساتھ عدم تعاون کا اصول تسلیم کیا گیا اور مسٹر گاندھی کو اس تحریک کا قائد و رہنما قرار دیا گیا۔

دورِ حاضر کے مشہور دانشور پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد جب مسلمانوں کی طرف سے ''تحریک خلافت'' کا آغاز ہوا تو حالات نے نیا رخ اختیار کیا۔ اس تحریک میں مولانا حسرت موہانی جیسے مشاہیر ملت شامل تھے۔ اسی زمانہ میں انڈین نیشنل کانگریس نے مسٹر گاندھی کے ایماء پر ہندوستان میں ''ترک موالات'' کی تحریک کا اعلان کر دیا۔ کانگریس کا قیام اگرچہ 1889ء میں عمل میں آ گیا تھا مگر اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ حاکم و محکوم کے تعلقات کو استوار کرے اور بس۔ بعد میں کامل آزادی کا مطالبہ کیا گیا۔ الغرض 1920ء میں کانگریس کے قوم پرست ہندو مسلمان اور تحریک خلافت کے داعی اپنے مشترکہ دشمن انگریز کے خلاف متحد ہو گئے۔ ہر شخص ترک موالات پر تلا ہوا تھا مگر کھل کر مخالفت کی کسی کو جرات نہیں تھی۔ ایک طرف جوش جنوں میں انگیزوں سے ترک موالات بلکہ ترک معاملات پر زور تھا' دوسری طرف کفار و مشرکین سے دوستی و محبت کیلئے ہاتھ بڑھایا گیا۔

(فاضل بریلوی اور تحریک ترک موالات از ڈاکٹر مسعود احمد)

تحریک خلافت کے رہنماؤں نے گاندھی کی محبت میں گم ہو کر ایسی تاریخی غلطیاں کیں اور اکابرین ملت کے جذباتی دور میں گاندھی کی شان میں ایسی قصیدہ خوانی کی کہ شریعت مصطفوی کو برسرعام پامال کیا گیا۔ آج جب ان لوگوں کے افعال و اقوال پر نظر پڑتی ہے تو سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ ان مشرکانہ اقوال و افعال کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیے۔

رسالہ ''الناظر'' کے ایڈیٹر مولانا ظفر الملک نے لکھا کہ اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو آج مہاتما گاندھی نبی ہوتے۔

مولانا شوکت علی نے لکھا: زبانی جے جے پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا اگر تم ہندو بھائیوں کو راضی کرو گے تو خدا راضی ہوگا۔

مولانا عبدالباری یوں گوہر افشاں ہوئے کہ میں نے گاندھی کو اپنا رہنما بنالیا ہے جو وہ کہتے ہیں وہی مانتا ہوں۔

مولانا محمد علی جوہر کہتے ہیں کہ بعد از نبی بزرگ توئی قصہ مختصر میں اپنے لیے بعد رسول مقبول ﷺ گاندھی جی ہی کے احکام کی پیروی ضروری سمجھتا ہوں۔ اور پھر اس پر ہی بس نہ کی بلکہ جامع مسجد دہلی کے منبر رسول ﷺ پر شردھانند سے تقریریں کروائی گئیں۔ ایک ڈولی میں قرآن کریم اور گیتا کو رکھ کر بڑے بڑے شہروں میں جلوس نکالے گئے۔ مسلمانوں نے ماتھوں پر قشقے لگائے۔ گاندھی جی کی تصویروں اور بتوں کو گھر میں آویزاں کیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کرشن کا خطاب دیا گای۔ وید کو الہامی کتاب تسلیم کیا گیا۔ گائے کی قربانی کی ممانعت کے فتاوے سارے ملک میں تقسیم کیے گئے۔ (اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت از سید نور محمد قادری)

سوچنے کا مقام ہے کہ دین اسلام کی اس طرح بے حرمتی کوئی بھی غیرت مند مسلمان کیسے برداشت کر سکتا ہے۔ چنانچہ فاضل بریلوی نے جب یہ صورت حال دیکھی تو تڑپ اٹھے۔ آپ نے اس خوفناک طوفان کو بھانپ لیا اور مسلمانوں کو اس فتنہ سے بچانے کے لیے جہاد کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ مولانا احمد رضا خان کا اس وقت اس سازش کے خلاف جہاد مسلمانوں کو اپنا تشخص بچانے کے لیے تھا' ورنہ وہ ایسا جذباتی دور تھا جس میں بڑے بڑے رہنما بھی حالات کی رو میں بہہ گئے تھے۔

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے ایسے حالات میں اسلامیان ہند کی رہنمائی کے لیے شدید علالت کے باوجود دو قومی نظریہ پر ایک کتاب ''الحجۃ الموتفقۃ فی آیۃ الممتحنۃ'' (1339ھ / 1920ء) لکھی۔ جس میں مسلمانوں کو اس ہندوانہ اتحاد کے انجام سے متنبہ کیا۔ ہندو چالبازوں کے عزائم سے خبردار کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب محمد علی جناح اور علامہ اقبال دونوں ابھی دو قومی نظریے کے اظہار سے گریزاں تھے۔ مگر فاضل بریلوی

نے نتائج کی پروا کیے بغیر حق کا برملا اظہار فرمایا۔

اس زمانہ میں ان کے ایک دوست اور ہندوستان کے مشہور عالم دین مولانا عبدالباری فرنگی محلی مسٹر گاندھی کے سیاست میں الجھ کر ان کے ہم نوا بن گئے اور ان سے بعض ایسے اقوال و اعمال سرزد ہوئے جو فاضل بریلوی کی نظر میں خلاف شرع تھے اور سیاسی حیثیت سے مسلمانوں کیلئے تباہ کن بھی تھے۔ چنانچہ آپ نے ان کی دوستی کی پرواہ کیے بغیر اس طرز عمل پر سخت تنقید کی اور ان سے طویل خط و کتابت کی۔ یہ خطوط بعد میں ''الطاری الداری لھفوات عبدالباری'' (1339ھ 1921ء) کے نام سے کتابی شکل میں سامنے آئے۔ (حیات امام اہل سنت از ڈاکٹر مسعود احمد)

امام احمد رضا کا نقطۂ نظر اگرچہ اس وقت کچھ لوگوں کو پسند نہیں تھا اور وہ آپ پر الزامات کے تیر پھینکتے رہے اور کہتے کہ یہ تو ہندوستانی رہنماؤں کے اتحاد کے خلاف کام کر رہے ہیں اور انگریزوں کی حمایت کرتے ہیں مگر امام احمد رضا نے اپنے موقف سے سرمو انحراف نہ کیا۔ تحریک خلافت کے حوالہ سے آپ کا خلیفہ کی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے رسالہ ''دوام العیش فی ائمۃ من القریش'' (1339ھ / 1920ء) لکھا۔ یہ بھی ایک تاریخ ساز فیصلہ تھا جس میں آپ نے فرمایا کہ شریعت اسلامیہ میں خلیفہ اسلام اور سلطان وقت کیلئے شرائط اور ان کی اتباع و حمایت کے احکام جدا جدا ہیں۔ فاضل بریلوی کے نزدیک خلیفۃ المسلمین کیلئے شرعاً قریشی ہونا ضروری تھا۔ اس لیے ان کو سلطان ترکی اور سلطنت ترکیہ کی حمایت و تائید سے تو اختلاف نہ تھا البتہ سلطان کو ''خلیفۃ المسلمین'' کہنے اور سلطنت کو ''خلافت'' کا نام دینے سے اختلاف تھا۔ جب دو سال بعد 1922ء میں خود ترکی کے مرد آہن مصطفیٰ کمال پاشا نے سلطنت ترکیہ کا تختہ الٹ دیا اور سلطان عبدالحمید کو ملک بدر کر دیا تو دعوائے خلافت کی حقیقت کھل کر لوگوں کے سامنے آگئی اور مسلمانوں کو شرمسار ہونا پڑا۔ فاضل بریلوی اس تحریک سے عملاً اس لیے علیحدہ رہے کہ ان کے نزدیک اس کی بنیاد شریعت پر قائم نہیں تھی بلکہ وہ اس کو حصول سوراج کی درپردہ کوشش خیال کرتے تھے مسٹر گاندھی اور ہندوؤں کی حمایت نے اس خیال کو تقویت

پہنچائی اور پھر تاریخی وسیاسی واقعات نے اس خیال کی تصدیق کر دی۔

(حیات امام اہل سنت از پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد)

برصغیر کی ان تحریکات اور قائد اعظم محمد علی جناح کے متعلق رئیس احمد جعفری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ "جب کانگریس نے "ترک موالات" کی تجویز منظور کی تو مسٹر جناح نے اپنے انہی اصول کے پیش نظر کانگریس سے قطع تعلق کر لیا۔ اس وقت کے بہت سے سیاسی رہنماؤں کے نزدیک ان کی یہ بہت بڑی غلطی تھی لیکن وہ اپنے دلائل کی بنا پر اپنی روش کو صحیح سمجھ رہے تھے۔ وہ تحریک برائے تحریک کے قائل نہیں تھے وہ کہتے تھے کہ سرکاری سکولوں اور کالجوں کا بائیکاٹ اگر کراتے ہو تو اپنی قوم کے بچوں کی تعلیم کیلئے قومی سکول اور کالج کھولو۔ بدیشی کپڑے کا اگر مقاطعہ کرتے ہو تو سودیشی کپڑے کی ملوں پر ملیں قائم کرو۔ صرف چرخہ کات کر اور لنگوٹی پہن کر تم آزادی حاصل نہیں کر سکتے..... قائد اعظم کے اس اعلان پر ان پر آوازے کسے گئے، طعنے دیئے گئے اور سماجی بائیکاٹ کی دھمکی دی گئی لیکن انہوں نے جو راستہ اختیار کیا تھا، اس سے ایک لمحہ کیلئے بھی منحرف نہ ہوئے۔" (قائد اعظم اور ان کا عہد از رئیس احمد جعفری)

علامہ اقبال کو بھی تحریک خلافت سے یک گونا تعلق خاطر تھا اور اپنے احباب سے ہمدردی بھی تھی، اس لیے کہ یہ تحریک ان کے اسلامی تصورات سے بڑی حد تک ہم آہنگ تھی۔ تاہم جب آگے چل کر یہ تحریک متحدہ قومیت کے کانگرسی طلسم میں پھنس گئی تو انہوں نے اس پر سخت تنقید کی۔ (اقبال کا سیاسی کارنامہ از محمد احمد خاں)

مفکر ملت علامہ محمد اقبال اگرچہ شروع میں صوبائی خلافت کمیٹی کے رکن تھے لیکن جلد ہی انہوں نے استعفیٰ دے دیا اور اپنے ایک دوست محمد نیاز الدین خان کو اپنے خط محررہ 11 فروری 1920ء میں واضح کیا "گرامی صاحب کی خدمت میں السلام علیکم عرض کیجئے۔ سنا ہے وہ مجھ پر ناراض ہیں کہ میں نے "خلافت کمیٹی" سے کیوں استعفیٰ دے دیا۔ وہ لاہور آئیں تو ان کو حالات سے آگاہ کروں گا۔ جس طرح یہ کمیٹی قائم کی گئی اور جو کچھ ممبران کا مقصد تھا، اس اعتبار سے تو اس کمیٹی کا وجود میری رائے میں مسلمانوں

کیلئے خطرناک تھا''۔ (مکاتیب اقبال بنام نیاز الدین خان بحوالہ ماہنامہ کنزالایمان تحریک پاکستان نمبر)

قائداعظم اور علامہ اقبال کا موقف تو آپنے پڑھ لیا۔ اب امت مسلمہ کے ایک عظیم رہنما امیر ملت پیر حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوری کا نظریہ ملاحظہ فرمائیے۔ آپ نے 1914ء میں ''تحریک ترموالات'' کی مخالفت کیلئے آواز اٹھائی اور اعلان کیا کہ ہندو مردے کو جلا کر خاک کر دیتے ہیں اور وہ خاک ہوا میں اڑ جاتی ہے جب کہ مسلمان مردے کو دوگز زمین تا قیامت مل جاتی ہے۔

(اکابر تحریک پاکستان از محمد صادق قصوری)

ڈاکٹر سید مطلوب حسین شاہ لکھتے ہیں کہ تحریک ترک موالات 1920ء میں مسٹر گاندھی نے شروع کی جس کا مقصد حکومت برطانیہ پر عدم اعتماد تھا۔ اس میں ہندو نواز مسلم رہنماؤں نے اپنے ماضی کے تجربات و مشاہدات سے قطع نظر کر کے ہندوؤں کی طرف دوستی اور محبت کا ہاتھ بڑھایا۔ حتیٰ کہ انہیں اپنا قائد اور رہنما تسلیم کر لیا۔

امام احمد رضا کو ایسے لوگوں کے اس سیاسی طرز عمل سے سخت اختلاف تھا۔ کیونکہ وہ اس کیلئے ہرگز تیار نہ تھے کہ انگریزوں کی غلامی کا طوق اتار کر ہندو اکثریت کی غلامی کی زنجیریں پہن لیتے اور جمہوری روایات کی روشنی میں اقتدار ان کے ہاتھ میں سونپ کر ان کو مسلمانوں کی قسمت کا مالک بنا دیتے۔ قوم پرست مسلمانوں کو تو ہندوؤں کے اخلاص اور نیت پر یقین تھا لیکن امام احمد رضا ان کے پوشیدہ عزائم کو خوب سمجھتے تھے۔ اس لیے انہوں نے نہ صرف خود کو اس تحریک سے الگ رکھا بلکہ تمام لوگوں کو اس سے علیحدہ رہنے کی تلقین کی۔ (مجلہ معارف رضا' کراچی 1985ء)

اس ہنگامہ آرائی میں ملت کا ہر فرد پریشان تھا۔ وہ آزادی کے دوارہے پر کھڑا فیصلہ نہیں کر پاتا تھا۔ کیونکہ خلافت کمیٹی یا گاندھی اینڈ کمپنی سے اختلاف رائے کرنا اپنی جان مصیبت میں ڈالنا تھا لیکن اس پر آشوب اور منافقت بھرے دور میں بھی امام احمد رضا بریلوی اور آپ کے ہم فکر علماء نے کلمہ حق بلند کیا۔ اہل سنت کے ترجمان ماہنامہ 'السواد الاعظم'' نے جو مولانا محمد عمر نعیمی اور صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی کی

زیر نگرانی نکلتا تھا، سخت سے سخت طوفان کا پامردی سے مقابلہ کیا اور ملت کی رہنمائی فرمائی۔ دراصل یہ تحاریک انگریز اور ہندو کی گہری سیاسی سازش کا نتیجہ تھیں، جن کا مقصد کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو سیاسی اور اقتصادی نقصان پہنچا کر انہیں انتشار کا شکار بنانا تھا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ان تحریکوں کی قیادت متعصب ہندو رہنما مسٹر گاندھی کے ہاتھ میں تھی اور اس نے اپنے پروگرام پر عمل کرتے ہوئے اپنی مرضی سے یہ تحاریک چلائیں۔ پھر خود ہی انہیں ختم کر دینے کا اعلان کر دیا۔ اب سوچنے والی بات یہ ہے کہ مسٹر گاندھی یا مدن موہن مالویہ جیسے ہندوؤں کا بھلا مسلمانوں کی خلافت سے کیا تعلق تھا۔ اگر یہ تحاریک خالصتاً اسلامی مفاد کیلئے تھیں تو پھر ان کی قیادت ہندو کیوں کر رہے تھے۔ مسلمانوں کی بدقسمتی یہ تھی کہ مولانا محمد علی جوہر جیسے اکابر بھی ہندو کی چالاکی کا شکار ہوتے گئے اور خلافت کے خوبصورت جال میں ہندو مفاد کا زہر کھانے پر تیار ہو گئے۔ اس نازک دور میں امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے قوم کی رہنمائی کیلئے موثر اور ٹھوس دلائل سے ہندو کی سازش کو بے نقاب کیا۔ چنانچہ آپ کی جدوجہد کے نتیجہ میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور دوسرے اکابرین نے اپنے طرز عمل کا جائزہ لیا اور ان تحریکوں سے علیحدگی اختیار کر لی۔ پھر جب تحریک پاکستان اپنے عروج پر تھی اور ہندو کا کردار کھل کر سامنے آیا تو مولانا احمد رضا خان کا موقف حرف بحرف سچ ثابت ہوا۔ وہ لوگ جو چند سال قبل امام احمد رضا کے خلاف الزامات کے تیر برساتے تھے، اب اسی راستے پر چل رہے تھے، جس کی نشاندہی امام احمد رضا نے کی تھی۔ مگر ان لوگوں کو اس وقت احساس ہوا، جب ان کے جذباتی فیصلے سے ملت اسلامیہ کا بے پناہ نقصان ہو چکا تھا۔

2- تحریک ہجرت

جن دنوں ‘‘تحریک خلافت’’ اور ‘‘تحریک ترک موالات’’ زوروں پر تھیں، ہندو کا شاطرانہ ذہن مسلمانوں کی تباہی کیلئے مختلف منصوبوں پر غور کر رہا تھا۔ چنانچہ ہندوؤں نے مسلمانوں کے اندر علمائے کرام کے ایک مخصوص طبقے کے ذریعے اسلامیان ہند کو

برصغیر سے ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کے ہاں ایک طبقہ ہمیشہ ایسا رہا ہے جس نے اسلام کی حقانیت سے آنکھیں بند کر کے غیروں کے مشوروں پر عمل کر کے نقصان پہنچایا۔ ایسا ہی ایک گروہ مسٹر گاندھی کی سیاست کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو چکا تھا۔ ان کے نزدیک گاندھی کا حکم ہی نجات کیلئے حرف آخر تھا۔ چنانچہ اسی پس منظر میں تحریک ہجرت کا آغاز ہوا۔

کرنل عزیز ہندی امرتسری ''تحریک ہجرت'' میں پیش پیش تھے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''مجھے معلوم ہوا کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے نہایت مستعدی سے ہجرت کی تبلیغ شروع کر رکھی ہے۔ میں نے بھی آگے بڑھ کر اس تائید غیبی پر خدا کا شکر ادا کیا۔ میں نے ازراہ تفنن سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری سے پوچھا کہ آپ تو میرے ساتھ ہی پہلے قافلہ میں ہجرت کریں گے؟ جس پر انہوں نے کہا کہ آپ آگے جائیں گے۔ میں آپ کے پیچھے مہاجرین کے لشکر روانہ کرتا رہوں گا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ مولانا بخاری نے عملاً ہجرت نہیں کی تھی مگر لوگوں کو ہجرت کی راہ پر ڈالتے رہے۔''

(اوراق گم گشتہ از رئیس احمد جعفری)

پنجاب گورنمنٹ کی طرف سے جو رپورٹ مرتب کی گئی تھی، اس کے مطابق 23 اپریل 1920ء کو امرتسر میں ''مجلس احرار'' کے مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری نے کہا کہ اب جہاد ناممکن ہے لیکن امیر کے اعلان نے ہجرت کو قابل عمل بنا دیا ہے۔ 27 اپریل کو امرتسر سے ہی مولوی داؤد غزنوی نے افغانستان ہجرت کرنے کی ترغیب دی اور کہا جہاد کو چھوڑ کر ہجرت کی سنت پر عمل کیا جائے۔ 28 مئی کو امرتسر میں مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری نے نہ صرف خود ہجرت کرنے کا اعلان کیا بلکہ کہا کہ وہ ایسا کرنے سے قبل تین یا چار انگریزوں کو بنگلوں میں قتل کریں گے۔

11 جون کو امرتسر میں مولوی داؤد غزنوی نے فلسفہ ہجرت پر روشنی ڈالی اور مہاجرین کی دنیوی اور اخروی اجر و ثواب کی یقین دہانی کرائی۔ 14 اگست 1920ء کو ظفر علی خان نے 30 ہزار سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''اب حضرت مہدی علیہ السلام

کے ظہور کا وقت بھی ہے۔ انہیں ترک موالات کے پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہیے۔ ترکی کا معاہدہ کاغذ کا ایک بیکار ٹکڑا تھا۔ انہیں اب ہندوستان سے ہجرت کرنی چاہیے''۔ (ماہنامہ کنزالایمان تحریک خلافت نمبر)

مولوی عبداللہ غزنوی بھی اسی طرح کے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''جب امرتسر میں کانگریس کا اجلاس ہوا تو مولانا محمد علی جوہر نے فرمایا کہ اگر برطانیہ ترکی کو آزاد نہ کرے گا تو ہم ہندوستان کو چھوڑ کر باہر چلے جائیں گے اور ہجرت کر کے دوسرے ملکوں میں بیٹھ کر برطانیہ سے جنگ کرتے رہیں گے۔'' مولانا عبیداللہ سندھی نے اس وقت والی افغانستان اعلیٰ حضرت امان اللہ خان سے درخواست کی کہ آپ اعلان کریں کہ جو شخص بھی ہندوستان سے ہجرت کر کے افغانستان آ گئے گا، اس کو میں زمین، مکان اور نوکری دوں گا، اس پر امیر کابل نے اعلان کر دیا۔ لوگ افغانستان میں آنا شروع ہو گئے اور انگریزوں کا دماغ پریشان ہو گیا۔

(مولانا عبیداللہ سندھی کی سرگزشت کابل از مولوی عبداللہ غزنوی)

مذکورہ بالا واقعات کی روشنی میں یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ میں آتی ہے کہ علماء کے ایک مخصوص طبقے نے خاص پس منظر میں کیوں ہندوستان کو ''دارالحرب'' قرار دینے پر زور دیا تھا اور مسلمانوں کو ہندوستان سے ہجرت کی ترغیب دی۔ ہم اگر سب لوگوں کا موقف تحریر کریں گے تو بات طویل ہو جائے گی۔ یہاں صرف تاریخی حوالہ کے طور پر مختصراً عرض کرنا چاہتے ہیں کہ امام احمد رضا برصغیر کو ''دارالحرب'' کے بجائے ''دارالسلام'' مانتے تھے۔ اس لیے وہ فرماتے تھے کہ ''دارالسلام'' سے ہجرت نہیں کی جا سکتی۔ اس کیلئے آپ نے اس موضوع پر ایک رسالہ ''اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالسلام'' (1306ھ / 1888ء) تحریر کر کے یہ بات ثابت کی کہ ہندوستان چونکہ ''دارالسلام'' ہے اس لیے مسلمانوں کے ہجرت کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

امام احمد رضا کے اس موقف کی تائید دیوبندیوں کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی

کے اس فتویٰ سے بھی ہوتی ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ ہندوستان نہ تو صاحبین کے قول پر دارالحرب ہے۔ اگرچہ احکام شرک کے خلاف کوئی پابندی نہیں لیکن احکام اسلام بھی بلاخوف مشتہر ہیں اور دونوں کی آزادانہ ادائیگی سے یہ ملک ''دارالحرب'' نہیں ہوسکتا اور نہ امام اعظم کے قول پر ''دارالحرب'' ہے۔ کیونکہ احکام کفریہ اس ملک میں جاری نہیں ہیں بلکہ بدستور احکام اسلامی پر عمل کیا جارہا ہے اور ایسی صورت میں ''دارالحرب'' نہیں ہوتا۔

(تحذیر الاخوان عن الربوٰا فی الہندوستان از مولوی اشرف علی تھانوی)

اس (تحریک ہجرت) کے نتیجہ میں مسلمانوں کو جو اقتصادی نقصان اٹھانا پڑا محتاج بیان نہیں ہے مگر اس تحریک کے ناعاقبت اندیش نیشنلسٹ علماء قوم کو اندھی غار میں دھکیل رہے تھے۔ یہ لوگ اگر تھوڑا سا بھی دینی بصیرت سے کام لے کر غور کرتے تو بات بالکل واضح تھی کہ وہ انگریز کے حق میں اقدام کررہے تھے۔ کیونکہ مسلمانوں کے ہجرت کر جانے کے بعد انگریز پر اندرونی دباؤ ختم ہوگیا تھا۔ اس سلسلہ میں چودھری سردار محمد خان کی بات قابل غور ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ ''ترک موالات کے پروگرام کے ساتھ ساتھ بہت سے مسلمانوں نے جن میں مولانا ابوالکلام آزاد بھی شامل تھے' یہ طے کیا گیا کہ ہندوستان سے مسلمان تو افغانستان ہجرت کر جائیں اور ہندو سارے برصغیر کے مالک رہیں گے۔ اس تحریک نے سندھ اور سرحدی صوبوں میں اتنا زور پکڑا کہ اٹھارہ ہزار سے بھی زیادہ مسلمان اپنے گھربار' کاروبار کو خیرباد کہہ کر افغانستان کی طرف چل پڑے مگر افغانوں نے مہاجرین کو اپنے ملک میں داخل ہونے سے روک دیا۔ ہجرت کا یہ قافلہ پھر ہندوستان کی طرف لوٹا اور اب ان کے گھر' کھیت اور جائیدادیں ہندوؤں کے قبضے میں جا چکی تھیں۔ اس طرح مسلمانوں کا جو مالی اور جانی نقصان ہوا' وہ بیان سے باہر ہے۔

(حیات قائد اعظم از چودھری سردار محمد خاں)

صوبہ سرحد کے مسلمانوں کی تباہی و بربادی کی دردناک داستان جناب فارغ بخاری صاحب یوں بیان کرتے ہیں ''علمائے کرام اور ہندو نواز رہنمایان عظام نے

قرآن اور حدیث کے حوالے دے دے کر لوگوں کو ترک وطن پر آمادہ کیا۔ اس تحریک نے ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک قیامت برپا کردی۔ صدیوں کے آباد گھر اجڑ رہے تھے۔ مال ومتاع کوڑیوں کے مول نیلام ہو رہے تھے، جائیدادیں بیچی جارہی تھیں، کھڑی فصلیں جلائی جارہی تھیں۔ باپ بیٹوں سے اور بیٹے ماؤں سے جدا ہو رہے تھے۔ جوان بیٹیوں کی شادیوں میں اتنی عجلت برتی جارہی تھی کہ بغیر جانے بوجھے، دیکھے بھالے جو نوجوان سامنے آتا، نکاح پڑھوا کر اس کے پلے باندھ دیتے۔ جو بوڑھے والدین سفر کے قابل نہیں تھے، وہ اپنے بچوں کو آنسوؤں بھری آنکھوں اور لرزتے ہاتھوں سے رخصت کر رہے تھے۔ ہر طرف مسلمان عورتوں کی آہ وبکا اور بچوں کی گریہ زاری سے ایک کہرام مچا ہوا تھا۔ جدھر دیکھو، مسلمان ہجرت کی تیاریوں میں منہمک نظر آتے''۔

مزید لکھتے ہیں کہ مسلمان مہاجرین کے قافلے ٹڈی دل کی طرح کھیتوں اور میدانوں میں کھلے آسمانوں کے نیچے پڑے پڑے بھوک اور پیاس سے دم توڑنے لگے۔ عورتیں، بچے اور نوجوان ایک گلاس میں پانی اور ایک ٹکڑا روٹی کیلئے اپنی عزت ناموس اور عفت وعصمت تک بیچنے پر مجبور ہو گئے۔ اب نہ تو وہ آگے جانے کے قابل تھے اور نہ پیچھے لوٹنے کی سکت رکھتے تھے۔ (تحریک آزادی اور باچا خان از فارغ بخاری)

یہی وہ خطرناک نتائج تھے، جن سے بچنے کیلئے پیر مہر علی شاہ گولڑوی، پیر جماعت علی شاہ علی پوری اور امام احمد رضا جیسے اکابرین نے ''تحریک ہجرت'' کی مخالفت کی تھی اور فرمایا تھا کہ لوگو! ہندوستان ہندوؤں کی طرح مسلمانوں کا بھی اپنا ملک ہے۔ انہوں نے اپنے خون سے اس چمن کی آبیاری کی ہے۔ اسے ''دارالحرب'' قرار دے کے ہجرت کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم جو کہ انگریزوں کی آمد سے قبل اس ملک کے حکمران تھے، ہجرت کر کے غیر ملکی حکمرانوں کی حکومت کو تسلیم کرلیا ہے۔ آؤ! ہندوستان سے ہجرت کرنے کے بجائے اس کی آزادی کیلئے جنگ لڑیں۔ اس وقت اگرچہ امام احمد رضا کی بات بعض لوگوں کو ناگوار گزری تھی لیکن بعد میں پیش آنے والے حالات نے یہ بات

ثابت کردی کہ امام احمد رضا کا موقف درست تھا۔ نام نہاد ہجرتی' ہندو سیاست کے دھوکے میں آ گئے تھے۔

اس سلسلہ میں ہم صرف دو اصحاب کی رائے پیش کر کے بات کو مختصر کرتے ہیں۔ جناب محمد علی چراغ صاحب لکھتے ہیں کہ ''اس نازک صورت حال میں واحد شخصیت مولانا احمد رضا خان کی ہے جس نے مسلمانوں کی کئی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا اور انہوں نے اسلامی نقطۂ نظر سے کسی ملک کے دارالحرب ہونے کے بارے میں اہم معلومات فراہم کیں۔ ان کے خیال میں غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کا پورا پورا حق تھا۔ انہوں نے ایک ہزار سال سے زیادہ یہاں کامیاب حکومت کی تھی۔ مولانا احمد رضا بریلوی مسلمانوں کے اس حق سے دست بردار ہونے کیلئے تیار نہیں تھے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ملک کو دراصل ''دارالحرب'' قرار دے کر ترک موالات کر جانا ایک طرح کا کمزور احتجاجی عمل تھا اور اس طرح ہجرت اور ترک موالات کرنے سے مسلمان عملاً اپنے حق سے دست بردار ہو جاتے تھے۔ ایسی صورت احوال ہندو لیڈروں اور کانگریس کیلئے تو سود مند تھی۔ وہ اس طرح تن تنہا حکمران انگریزوں سے کسی طرح کی سودے بازی کر سکتے تھے''۔

(مجلہ اوج' لاہور قرارداد پاکستان گولڈن جوبلی نمبر)

کوثر نیازی بھی اپنے مقابلہ میں اس موضوع پر امام احمد رضا کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ ''تحریک ہجرت اس بحث کا منطقی نتیجہ تھی کہ ہندوستان ''دارالسلام'' ہے یا ''دارالحرب''۔ امام احمد رضا اسے دارالحرب قرار نہیں دیتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اس سے مسلمانوں کیلئے سود کھانا تو جائز ہو جائے گا مگر ہجرت اور تلوار اٹھانا ان پر لازم ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہندوستان کو ''دارالسلام'' مانتے تھے کہ سینکڑوں برس سے مسلمان اس پر حکمران رہے تھے۔ اب بھی اس سرزمین میں امن تھا اور مسلمانوں کو دینی فرائض کی ادائیگی میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ حیرت ہے کہ جو لوگ انگریز کے زمانے میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے پر مصر تھے' آج ہندو راج میں اسے

''دارالحرب'' قرار دینے کیلئے ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالتے۔ مطلب واضح ہے انگریز کے سامنے ہندو پس پردہ ان فتوؤں کی تار ہلا رہے تھے، جن میں ہندوستان کو ''دارالحرب'' قرار دیا جا رہا تھا تا کہ مسلمان انگریز کے خلاف تلواریں اُٹھائیں اور مر کھپ جائیں اور جو باقی بچیں، وہ ہجرت کر کے اس سرزمین کو ہی چھوڑ جائیں۔ آج اگر ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا جائے تو ہندو سیکولرزم کا طلسم پاش پاش ہو جاتا ہے۔ مسلمان جہاد کے نام پر برسر پیکار ہوں یا ہجرت کریں، سیکولرزم کا بت کدہ سرنگوں ہو جاتا ہے۔ آج ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے والے مفتیان کرام کے وارث مہر بلب ہیں اور اس طرح اپنے عمل سے امام احمد رضا کے فتویٰ کی تائید کر رہے ہیں۔''

(امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت از کوثر نیازی)

3- تحریک گاؤ کشی

ہندوؤں کی سیاسی چالوں کے پیش نظر اسلامیان ہند اکثر مشکلات کا شکار ہوتے رہے ہیں۔ کیونکہ مکار ہندو مختلف حیلے بہانوں سے اسلامی عقائد پر وار کرتا رہا ہے۔ اس کی تنگ ذہنیت کی وجہ سے ہی مسلمانوں نے الگ مملکت حاصل کرنے کیلئے جدوجہد کا آغاز کیا تھا لیکن بدقسمتی سے کچھ نام نہاد مصلحین قوم بزعم خود قیادت کے دعویدار بن کر اہل کفر کے معاون اور دست و بازو بنتے رہے اور اس کیلئے انہوں نے اپنے ایمان کے مقام کو بھی نہ پہچانا۔

اس سے پہلے آپ ''تحریک خلافت''، ''تحریک ترک موالات'' اور ''تحریک ہجرت'' میں اس گروہ کی سازشیں ملاحظہ فرما چکے ہیں اور اب چند تاریخی حوالے مزید پیش خدمت ہیں کہ ان نیشنلسٹ علماء نے کس طرح ذاتی مفادات کے عوض ایمان اور قوم کو ہندو کے ہاں گروی رکھنے کی کوششیں کیں۔ ایک وقت آیا جب گاندھی نے ایک نئی سیاسی چال چلی اور مسلمان لیڈروں کو اعتماد میں لے کر ہندوستان میں گائے کی قربانی سے منع کر دیا گیا۔ اس پر نام نہاد مسلمان رہنماؤں نے بھی شعائر اسلام سے کنارہ کشی شروع کر دی۔ بلکہ اس کیلئے عام مسلمانوں کو ترغیب دی جانے لگی۔ چنانچہ مولانا

عبدالباری فرنگی محلی جیسے عالم دین اپنے فتوے میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''اب مسلمانوں کا مقدس فرض یہ ہے کہ وہ گائے کی قربانی سے احتراز کریں۔ نہ صرف اس وجہ سے کہ کروڑوں ہندو بھائیوں کے جذبات کا احترام ضروری ہے بلکہ اس وجہ سے کہ قرآن مجید کا واجب العمل فرمان یہی ہے''۔

اسی طرح ابوالکلام آزاد کا ارشاد بھی ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں کہ ''اس تمام (گائے کی قربانی) قضیہ کا حل صرف اس بات میں ہے کہ ہر شخص اپنے حقوق پر زور دینے کے بجائے اپنے فرائض کی تکمیل کیلئے تیار رہے۔

(ماہنامہ کنزالایمان ''تحریک پاکستان نمبر'')

برصغیر کے نامور حکیم محمد اجمل خان صاحب نے دسمبر 1919ء میں مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے چار صفحات پر مشتمل خطبہ صدارت پڑھا۔ اس میں مسئلہ قربانی پر بحث کرتے ہوئے حدیث شریف کو بدل کر پیش کیا گیا اور مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ طبی نقطہ نظر سے گائے کی قربانی ترک کردیں۔

(تحریک آزادی اور سواد اعظم از ڈاکٹر مسعود احمد)

حکیم اجمل خان کے اس اقدام پر خصوصی طور پر اعلیٰ حضرت کے پیروکار جوش میں آگئے۔ چنانچہ سب سے پہلے خلیفۂ اعلیٰ حضرت پروفیسر محمد سلیمان اشرف بہاری نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے حکیم صاحب کی اس غلطی پر گرفت کی اور اپنی مشہور کتاب ''الارشاد'' میں اس کا رد کیا۔ اسی طرح ایک اور دوسرے بزرگ مولانا عبدالقدیر بدایونی نے گاندھی کے نام کھلی چھٹی میں حکیم صاحب کا تعاقب کیا۔ پروفیسر سلمان اشرف فرماتے ہیں کہ اسی زمانہ میں کانپور میں ''جمعیۃ علمائے ہند'' کا پہلا اجلاس ہوا۔ اس موقع پر انہوں نے کارکنان جمعیت سے درخواست کی کہ گائے کی قربانی کی مخالفت سے دست بردار ہوجائیں گے مگر کانگریس کے پروپیگنڈا کی وجہ سے کسی نے توجہ نہ دی۔ پروفیسر موصوف نے مسئلہ قربانی پر اپنا رسالہ ''الارشاد'' (1920ء) پیش کیا جو تین ماہ کے اندر اندر تین ہزار کی تعداد میں شائع کرایا گیا۔ (تحریک آزادی اور سواد اعظم از ڈاکٹر مسعود احمد)

علمائے حق کی مزاحمت کے باوجود مسٹر گاندھی کی اس تحریک نے اپنا اثر دکھایا۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے وہ بات بتائی کہ مسٹر گاندھی سے پہلی ملاقات کا ہم پر یہ اثر ہوا کہ ان کے خاندان سے گائے کی قربانی موقوف ہوگئی۔

(اشرف الارشاد از پروفیسر محمد سلیمان اشرف بحوالہ تحریک آزادی ہند اور سواد اعظم)

اسی طرح خواجہ حسن نظامی بریلوی، جن سے ملاقات کیلئے مسٹر گاندھی خود ان کے مکان پر گئے تھے، اس مسئلے پر مسٹر گاندھی کے ہم نوا بن گئے۔ آپ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ ہندو ہمارے پڑوسی ہیں اور گاؤکشی سے ان کی دل آزادی ہوتی ہے، لہٰذا مسلمان گائے کی قربانی نہ کریں اور اس کے عوض دوسرے جانوروں کی قربانی کافی سمجھیں۔ چاہے ہندو خلافت میں ہمارے کام میں ہمارے مددگار رہیں یا نہ رہیں، ہم کو اس کی کچھ پروا نہیں کرنی چاہیے کیونکہ مسلم قوم احسان کی تجارت نہیں کرتی۔

(ترک گاؤکشی از خواجہ حسن نظامی دہلوی بحوالہ تحریک آزادی ہند اور سواد اعظم)

پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب نے مولوی انوار الحسن کی کتاب ''تجلیات عثمانی'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ جمعیت علمائے ہند نے 1921ء میں اپنے ایک اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی کہ ہندوستان کے مسلمان گائے کی قربانی کے بجائے بھیڑ بکری کی قربانی کیا کریں۔ (مکتوبات امام احمد رضا مع تنقیدات وتعاقبات از ڈاکٹر مسعود احمد)

ان حالات سے آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ مسٹر گاندھی اور دیگر ہندوستانی مشرکین کی خوشنودی کیلئے اسلامی نام نہاد رہنمایانِ قوم و صاحبانِ جبہ ودستار کس قدر عاجزانہ کردار ادا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انہوں نے خدا کی رضا کے بجائے ہندو سے رواداری اور ان کی خوشنودی کو مقدم سمجھا۔

اب ذرا مسٹر گاندھی کا موقف بھی دیکھ لیجئے۔ 1918ء میں اس نے جو الفاظ کہے تھے انہیں ماہنامہ ''طلوع اسلام'' لاہور نے یوں نقل کیا ہے کہ ایک ہندو بھی ہندوستان کے طول وعرض میں ایسا نہیں تھا جو اپنی سرزمین کو گاؤکشی سے آزاد کرانے کی امید نہ رکھتا ہو۔ ہندو، عیسائی یا مسلمان کو تلوار کے زور سے بھی مجبور کرنے سے تامل نہیں کرے گا کہ

وہ گاؤکشی بند کردیں۔ (تحریک آزادی ہند اور سواد اعظم از ڈاکٹر مسعود احمد)

اسی طرح مدارس میں کانگریس کے ایک اجلاس (1927ء) میں جب گائے کی قربانی اور مسجد کے سامنے باجا بجانے کے سوال پر ایک فیصلہ ہونے لگا تو اگرچہ کانگریس اسے منظور کرچکی تھی مگر بقول مولانا محمد علی' گاندھی نے کہا کہ میں رات بھر اس الجھن میں گرفتار رہا۔ اس طرح تو مجھے اندیشہ ہے کہ میں بجائے معین ومددگار بننے کے اور رکاوٹ بن جاؤں گا۔ گائے کا مسئلہ ایسا ہے جس پر نہ میں نہ کوئی اور ہندو رضا مند ہوسکتا ہے۔

(قائداعظم اور ان کا عہد از رئیس احمد جعفری)

اسی طرح ایک دوسری جگہ گاندھوی فلسفہ ظہور پذیر ہوتا ہے کہ گائے کی حفاظت دنیا کیلئے ہندوازم کا تحفظ ہے اور ہندوازم اس وقت تک زندہ رہے گا جب تک گائے کی حفاظت کرنے والے ہندو موجود رہیں گے اور اس کی حفاظت کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اس کیلئے جان تک قربان کردی جائے۔

(قائداعظم اور ان کا عہد بحوالہ ماہنامہ کنزالایمان "تحریک پاکستان نمبر")

ایسے عالم میں جب ہر طرف اتفاق واتحاد کے نام پر اسلامی شعائر کو مٹانے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جارہا تھا' مشرکین ہند کے ساتھ ساتھ رہنمایان اسلام بھی مصروف کار تھے تو پھر کس کی جرأت تھی ان صاحبانِ قلم وقرطاس کا مقابلہ کرے۔ لیکن ہمارے سر اس وقت فخر سے بلند ہوجاتے ہیں جب ہمیں حضرت مجدد الف ثانی کی طرح نائب امام اعظم سرتاج اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ و سابقہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی ''انفس الفکر فی قربان البقر'' (1880ھ) کی تلوار ہاتھ میں لیے تن تنہا دشمنان اسلام سے جنگ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ فاضل بریلوی کے جہاد کا ہی نتیجہ ہے کہ آج برصغیر میں گائے کی قربانی اسلام کے عظیم شعائر کی حیثیت سے جاری ہے چنانچہ جب یہ طوفان بلاخیز زوروں پر تھا تو مختلف اطراف سے فتاویٰ طلب کیے گئے مختلف عبارتیں ترتیب دے کر علماء کے پاس بھیجی گئیں۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے ایک استفتاء مرتب کیا گیا۔ اس کے علاوہ ہندوؤں نے بھی عبارتیں لکھ کر علماء کے پاس بھیجیں۔ سب

لوگوں نے اپنے اپنے مفادات کے تحت جواب دیئے۔ لیکن امام اہل سنت نے اپنی شان سے قرآن وسنت کے مطابق جواب ارسال فرمایا اور برملا کہا کہ

> ”..... ہم ہر مذہب وملت کے عقلاء سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر کسی شہر میں مخالفین کے ڈر سے گاؤکشی قطعاً بند کردی جائے اور بلحاظ ناراضی ہندود اس فعل کو شریعت ہرگز اس سے باز رہنے کا ہمیں حکم نہیں دیتی۔ یک قلم موقوف کیا جائے تو کیا اس میں ذلت اسلام مقصود نہ ہوگی۔ کیا اس میں خواری ومغلوبی مسلمین نہ سمجھی جائے گی۔ کیا اس وجہ سے ہنود کو ہم پر گردنیں دراز کرنے اور اپنی چیرہ دستی پر اعلیٰ درجہ کی خوشی ظاہر کرکے ہمارے مذہب واہل مذہب کے ساتھ شماتت کا موقع ہاتھ نہ آئے گا۔ کیا بلاوجہ اپنے لیے ایسی ذلت اختیار کرنا ہماری شرع مطہرہ جائز فرماتی ہے؟ حاشا وکلا ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ نہ یہ متوقع کہ حکام وقت صرف ایک جانب کی پاسداری کریں اور دوسری طرف توہین وتذلیل روا رکھیں۔“

(رسائل رضویہ جلد نمبر 2)

امام اہل سنت کے مضمون کا یہ ایک اقتباس پیش کیا گیا۔ اس کے ایک ایک لفظ سے غیرت اسلام اور عظمت شعائر اسلام کے تحفظ کا احساس بیدار ہوتا ہے۔ کسی قسم کی منافقت یا دروغ گوئی سے کام نہیں لیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد ازیں ہندوستان میں جب بھی کبھی اسلام کے خلاف سازش ہوتی تو فاضل بریلوی کے خلفاء وتلامذہ نے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر مقابلہ کیا۔ چنانچہ فاضل بریلوی ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ”قربانی گاؤ کہ بیشک شعائر اسلام ہے اور جب تک ہنود ہندوستان میں ہیں اس کا باقی رکھنا واجب ہے۔ (الطاری الداری)

گاندھی کے دست راست پنڈت سیادیو نے 27 نومبر 1920ء کو متھرا میں اپنی تقریر کے دوران کہا:

”جب ہمارے ہاتھ میں اختیار ہوگا جس قدر قوانین ہم بنا سکیں گے بنائیں

گے۔ گاؤ کشی کا مسئلہ ہندوستان میں نہایت اہم مسئلہ ہے۔ ہماری متواتر درخواستوں کے باوجود اس بارے میں برٹش گورنمنٹ نے کچھ نہیں کیا۔ تنہا کاٹھیاوار میں بہت سی گائیں ذبح ہوتی ہیں۔ جب قانون سازی کی قوت ہمارے ہاتھ میں آگے گی تو ہم فوراً یہ طے کر دیں گے کہ ہندوستان کے اندر گائے کی قربانی نہ ہو اور اگر تم ہماری مدد کرو تو ہم دنیا بھر میں روک سکتے ہیں۔ تم میں یہ قوت ہے جو چاہو کر ڈالو۔ اگر تم اپنے لیڈروں پر بھروسہ کرو گے تو تم ضرور ہندوستان کا راج حاصل کر لو گے۔"

(ماہنامہ کنزالایمان "تحریک پاکستان نمبر")

اب سوچنے والی بات یہ ہے ایک طرف ہندو یہ اعلان بڑے فخر سے کر رہے تھے کہ ہم برصغیر سے نکل کر پوری دنیا میں گاؤ کشی پر پابندی لگا دیں گے اور دوسری طرف کئی مسلمان رہنما خود ہی ان کی منزل آسان کرنے کیلئے معاون و مددگار بن رہے تھے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل تاریخی حوالہ سے آشکار ہے۔

مشہور دیوبندی مولوی عبید اللہ سندھی اپنی سرگزشت میں لکھتا ہے:

"میں نے امیر امان اللہ خان (والی افغانستان) سے کہا کہ افغانستان میں اعلان کر دو کہ گاؤ کشی افغانستان میں منع ہے۔ میرے کہنے پر امیر امان اللہ خان نے کہا کہ افغانستان میں گاؤ کشی منع ہے۔ اس کے بعد گاندھی جی نے ایک تقریر میں کہا کہ مسلمانوں میں اگر امیر امان اللہ خان جیسے قانونی بادشاہ ہوں تو ہماری گائیں ذبح ہونے سے بچ جائیں گے۔ (مولانا عبید اللہ سندھی کی سرگزشت)

یہ تھے وہ حالات' جن میں ہمارے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ہمیشہ شریعت مطہرہ کی روشنی میں ہی فیصلہ دیا اور کبھی کسی سیاسی مصلحت کی وجہ سے شریعت کے احکام کی تاویل نہیں کی۔

آخر میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر برصغیر کے اندر اٹھنے والی تحریکوں کے یہ پہلو اجاگر نہ کیے جاتے اور جس طرح مشرکین کا ہر حکم تسلیم کیا جا رہا تھا' بدترین

دشمنان اسلام کو منبر رسول ﷺ پر لا کر بٹھایا جا رہا تھا تو آج ہمارے خطہ میں اسلام کی صحیح شکل تلاش کرنا مشکل ہوتی۔ یہ امام اہل سنت کی سیاسی بصیرت ہی تھی کہ آپ نے چومکھی لڑائی لڑی۔ انگریز، ہندو اور اس کے ایجنٹوں سے تنہا مقابلہ کیا اور اس وقت تک لڑتے رہے جب تک حق کو فتح حاصل نہ ہوئی۔ بعد میں جب تحریک آزادی اپنی منزل کے قریب پہنچی تو اس کی قیادت بھی اعلیٰ حضرت کے پیروکاروں کے ہاتھ میں تھی، جبکہ مدرسہ دیوبند کے ''نیشنلسٹ علماء دین'' ہندو کے دسترخوان پر آتے تھے۔

(امام احمد رضا اور ملی تحریکات از سردار محمد اکرم بٹر بحوالہ ماہنامہ جہانِ رضا، لاہور مارچ 1996ء)

◆

اعلیٰ حضرت کے بقیہ حالات

سعادت حرمین شریفین:

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے 1295ھ/ 1878ء میں اپنے والدین کریمین کے ہمراہ فریضۂ حج ادا کیا اور مدنی سرکار کونین کے تاجدار احمد مختار حبیب کردگار صلی علیہ الغفار کی بارگاہ بیکس پناہ میں حاضری کی سعادت حاصل کی، جس سے دلوں کو نور، آنکھوں کو سرور اور ایمان کو جلا ملتی ہے۔ سب کا دیکھنا حقیقت میں ایک جیسا نہیں ہوتا۔ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا اور جھٹلانے والوں نے بھی، حضرت ابوبکر صدیق نے دیکھا اور ابوجہل نے بھی۔ کیا ان سب کا دیکھنا ایک جیسا تھا؟ ہرگز نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس نے آپ کو جیسا جانا اور مانا، بس ویسا ہی دیکھا۔ آپ قدرت کا ایک شفاف ترین آئینہ ہیں۔ جیسا کسی کا آپ کے متعلق عقیدہ ہے ویسے ہی آپ اسے آئینے میں نظر آجاتے ہیں۔ اس عارف کامل اور اہل نظر نے آپ کو پہچان لیا تھا اور مسلمانوں کو یہی درس دیتے رہے تھے کہ وہ بھی اسی نظر سے مولائے کائنات مخزِ موجودات منبع فیوض وبرکات علیہ افضل الصلوات والتسلیمات کے روضہ انوار کو دیکھا کریں۔ یعنی

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو

1323ھ / 1905ء میں جب اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے بھائی کو حج وزیارات کیلئے الوداع کہنے جھانسی کے مقام تک آئے حالانکہ اب تک آپ کا اپنا پروگرام ساتھ جانے

کا نہ تھا' مگر الوداع کہتے وقت دل ایسا بے قرار ہوا کہ صبر وضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ فوراً واپس آئے' والدہ صاحبہ سے اجازت لی اور پھر واپس جا کر اسی جہاز پر بھائی صاحب کے ساتھ حج وزیارات کو روانہ ہو گئے۔ شاید اسی موقع پر یہ شعر کہا ہوگا:

؎ جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

حرمین شریفین کی یہ دوبارہ حاضری غیبی تھی کیونکہ اس میں حق و باطل کا تاریخی فیصلہ ہونا تھا۔ یہ حاضری اس لئے مخصوص تھی کہ جن لصوصِ دین کی آپ تردید کرتے رہے تھے اور کسی طرح باز نہ آئے تو مسلمانوں کو اُن کے شر سے محفوظ رکھنے یعنی خیر خواہیِ اسلام و مسلمین کی خاطر 1320ء میں المعتمد المستند میں حکمِ شرع بیان کرتے ہوئے اُن علمائے سوء کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا کیا تھا' قسامِ ازل کو یہ منظور تھا کہ آپ کے اُس فتوے کی تصدیق و تائید بارگاہِ رسالت یعنی دیارِ رسول سے ہو جائے۔ چنانچہ علمائے حرمین شریفین نے آپ کے فتوے کی تصدیق کی' اُس کے متعلق تقاریظ لکھیں' جن کے مجموعے کا تاریخی نام ''حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین'' (1324ھ) ہے۔

اسی مبارک موقع پر ''الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ'' جیسی بے مثال تالیف منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔ ہندی اور نجدی وہابیوں نے شریفِ مکہ کے دربار میں مسئلہ علم غیب پیش کیا ہوا تھا۔ مفتیِ احناف شیخ صالح کمال مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 1325ھ/1907ء) کی خدمت میں وہابیہ کی جانب سے پانچ سوال پیش ہو چکے تھے۔ مفتی احناف کا درجہ اُن دنوں شریف کے بعد دوسرا شمار ہوتا تھا۔ موصوف نے وہ سوال اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیے تو آپ نے حالت بخار میں بغیر کسی کتاب کا سہارا لئے آٹھ گھنٹوں کے دوران فصیح عربی زبان میں علم غیب جیسے اہم دینی اور علمی موضوع پر کئی سو صفحات پر مشتمل کتاب ''الدولۃ المکیہ'' لکھی اور منکرین علم غیب کے سوالوں کے ایسے منہ توڑ جواب لکھے کہ علمائے مکہ انگشت بدنداں رہ گئے اور منکرین کا تو ایسا منہ بند ہوا کہ وہ ساکت و مبہوت ہو کر رہ گئے۔ یہ مایہ ناز علمی شاہکار اور تائیدِ ایزدی و نظرِ عنایت

مصطفوی کا زندہ ثبوت ستر سال سے لاجواب ہے اور قیامت تک لاجواب ہی رہے گا کیونکہ اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلیٰ۔ ''اسلام غالب ہی رہتا ہے، یہ مغلوب ہونے کے لئے نہیں ہے''۔

یہ رسالہ شریف مکہ کے دربار میں، منکرین و معاندین کے رُوبرو، مولانا شیخ صالح کمال قاضی مکہ مکرمہ نے پڑھ کر سنایا۔ اُس وقت منکرین شانِ رسالت کی جو رُوسیاہی ہوئی وہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ علمائے مکہ مکرمہ اور اُن کے بعد علمائے مدینہ منورہ اور اُن کے بعد دیگر بلاد و امصار کے علمائے کرام و مفتیانِ عظام نے اِس رسالے پر دھوم دھام سے سالہا سال تک تقاریظ لکھیں اور ارسال فرمائیں۔ امام احمد رضا خاں بریلوی کو عظیم و جلیل خطابات سے نوازا اور حرمین طیبین کے علمائے کرام نے جو پورے عالم اسلام کے لیے قابل تعظیم و لائقِ احترام ہیں، آپ کا عدیم النظیر اعزاز و اکرام کیا۔ آپ کو نادرِ روزگار، سرمایۂ افتخار، سرتاج العلماء، فقیہ اعظم، محقق یگانہ، محافظ شانِ رسالت، حجتِ الٰہی کی تیغِ براں، امام اہلسنّت اور مجددِ دین و ملت کے القاب سے ملقب کیا۔ آپ سے سندیں اور اجازتیں لیں۔

یہی وہ مبارک موقع تھا جب رسالہ مبارکہ ''کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم'' کی تصنیف عمل میں آئی۔ نوٹ اُن دنوں ایک نئی ایجاد تھی۔ عالم اسلام کے علمائے کرام و مفتیانِ عظام اِس کے بارے میں تسلی بخش شرعی حکم معلوم نہ کر پائے تھے۔ امام احمد رضا خاں بریلوی کی محققانہ عظمت اور علمی وسعت علمائے حرمین اور خصوصاً علمائے مکہ مکرمہ پر واضح ہو چکی تھی۔ موقع غنیمت جان کر مکہ معظمہ کے دو علماء نے نوٹ کے متعلق بارہ سوال آپ کی خدمت میں پیش کر دیے۔ اُن سوالوں کے جو محققانہ جوابات تحریر کیے گئے وہ ایک رسالے کی صورت میں ''کفل الفقیہ'' کے نام سے جمع کیے گئے۔ علمائے حرمین نے اِس رسالے کی متعدد نقلیں کیں اور مفتیانِ عظام نے اپنے پاس رکھیں۔ نوٹ کا صحیح حکم شرعی معلوم کر کے پورے عالم اسلام کو اس پریشانی سے نجات دینے والا صرف امام احمد رضا خان بریلوی ہے، آپ سے پہلے دنیا کے کسی عالم سے نوٹ

کا صحیح حکم اور اس کی شرعی حیثیت بیان نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس سلسلے میں دیگر علماء کے 1324ھ/ 1906ء سے پہلے کے فتوے دیکھ کر ہمارے بیان کی خود تصدیق کی جا سکتی ہے۔

عشق رسول ﷺ

قرآن مجید فرقان حمید برہان رشید میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

"اگر تم مجھ (اللہ) سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرے حبیب پاک سے محبت کرو"۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے ماں، باپ، بیٹے، بیٹیوں اور تمام لوگوں سے زیادہ مجھ سے محبت نہ کرے"۔

(صحیح بخاری: کتاب الایمان 7/1، صحیح مسلم: کتاب الایمان 49/1، سنن ابن ماجہ: باب فی الایمان ص 8، سنن نسائی: کتاب الایمان: 232/2، مشکوٰۃ المصابیح: کتاب الایمان ص 12)

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا ذریعہ یہ ہے کہ حضور ﷺ سے محبت کی جائے اور پکا سچا مسلمان بننے کا معیار یہ ہے کہ والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کی جائے۔ گویا نبی اکرم ﷺ سے محبت کرنا ہی اصل ایمان ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو حضور اکرم ﷺ سے بے پناہ عشق اور محبت تھا۔ آپ حضور ﷺ کی محبت میں مستغرق تھے۔ صوفیاء میں جو "فنا فی الرسول" کی اصطلاح ہے، وہ آپ پر بالکل صادق آتی ہے۔ آپ کی زندگی کا اصل مقصد ہی عشق رسول ﷺ تھا۔ آپ سچے عاشق رسول اور عشق رسول ہاشمی کی ایک پگھلتی ہوئی شمع تھے۔ 14 شعبان المعظم

1286ھ / 1869ء سے 25 صفر المظفر 1340ھ / 1921ء تک نصف صدی سے زائد عرصہ آپ مسلمانانِ عالم کو محبت کے جام پلاتے رہے کیونکہ اسلام کی جان اور روح یہی ہے۔ اسی لیے آپ بارگاہ رسالت میں یوں اپنی تمنا پیش کرتے ہیں:

؎ کروں تیرے نام پہ جاں فدا
نہ یہ ایک جاں، دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا
کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مشن آپ کی تصانیف کے ذریعے آج بھی جاری ہے۔ آپ کی قلمی نگارشات قیامت تک مسلمانوں کو مست جام بادۂ الفت اور ساقی کوثر و تسنیم کا والا شیدائی بناتی رہیں گی۔ کسی نے کیا خوب کہا:

؎ جس نے ہر دل میں لگائی عشق احمد کی لگن
وہ امامِ عاشقاں احمد رضا خاں قادری

جب دوسری مرتبہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ آقائے کونین ﷺ کی بارگاہ اقدس و انور میں حاضر ہوئے تو شوق دیدار کے ساتھ مواجہہ عالیہ میں درود شریف پڑھتے رہے۔ امید تھی کہ ضرور سرکار مدینہ قرار قلب وسینہ صاحبِ معطر پسینہ ﷺ عزت افزائی فرمائیں گے، لیکن پہلی شب تکمیل آرزو نہ ہو سکی۔ یاس و حسرت کے عالم میں ایک نعت کہی، جس کا مطلع یہ ہے:

؎ وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

مقطع میں عاشق مصطفیٰ کا ناز ایک جلیل القدر والی کا عرفان، پھر بے کسی و محرومی کا اظہار کچھ عجب انداز لیے ہوئے نظر آتا ہے۔ عرض کرتے ہیں:

؎ کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کُتّے ہزار پھرتے ہیں

مواجہہ شریف میں یہ نعت عرض کی اور مؤدب و منتظر بیٹھ گئے، قسمت جاگی، حجاب اٹھا اور عالم بیداری میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت اور جمال جہاں آرا کے دیدار سے شرف یاب ہوئے۔

قبولیت ملی ہے جس کو دربار رسالت میں
رضائے احمد مختار یا احمد رضا تم ہو

آپ کا اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم ﷺ کی محبت میں سرشار ہونا ایک عالم بلکہ مخالفین کے نزدیک بھی مسلم ہے اور محبت وہ نازک اور لطیف جذبہ ہے، جو محبوب کی شان میں توہین تو کیا کسی ادنیٰ سی بے ادبی کو بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت کے الفاظ ملاحظہ ہوں، فرماتے ہیں:

> ''جس سے اللہ و رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ، پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو، فوراً اس سے جدا ہو جاؤ۔ جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو، پھر تمہارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو، اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو''۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے عشق رسول کی ایک اور جھلک ملاحظہ ہو۔ ملفوظات میں جہاں ولادت کی تاریخوں کے متعلق فرمایا وہاں یہ بھی کہا:

''بحمد اللہ اگر قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو خدا کی قسم! ایک پر لا الٰہ الا اللہ لکھا ہوگا اور دوسرے پر محمد رسول اللہ لکھا ہوگا۔ (جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم)۔

مفتی اعظم شہزادۂ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی والد بزرگوار کی طرح فرمایا اور کیا خوب فرمایا:

خدا ایک پر ہو اور اک پر محمد
اگر قلب اپنا دو پارہ کروں میں

تعظیم سادات:

عشق کی صداقت اور پختگی جبھی ہے کہ جس کو بھی محبوب سے نسبت ہو، اس سے محبت رکھے اور اس کا ادب و احترام بجالائے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ و تابعین اور دوسرے اسلاف کرام رسول اللہ ﷺ کے اہل قرابت کی محبت و تعظیم میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ یہی نہیں بلکہ آثار و تبرکات کی تعظیم کا بھی انہوں نے عملی ثبوت فراہم کیا ہے۔ انہی عرفاء کے اتباع میں امام احمد رضا کی زندگی بھی تعظیم سادات کے شواہد سے لبریز ہے۔ انہیں اپنے آقا سے نسبت رکھنے والی، چلتی پھرتی یہی یادگاریں، نصیب تھیں اس لیے ان کی عزت و تکریم میں کوئی کمی بھلا کیسے روا رکھتے، آل نبی کے بارے میں فرماتے ہیں:

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

یہاں مختصراً چند واقعات کی روشنی میں آپ کی تعظیم آل رسول کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو دیدۂ عبرت و بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہیں۔

1- مولانا سید شاہ ابوسلمان محمد عبدالمنان قادری ایک بار ملاقات اور کچھ مسائل حل کروانے کیلئے آئے تھے ان کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ یہ فقیر سادات میں سے ہے تو آپ نے بڑی عزت بخشی اور جملہ شکوک چند منٹوں میں اس طرح رفع کر دیئے کہ گویا شکوک کبھی پیدا ہی نہ ہوئے تھے پھر اخلاق کا یہ عالم کہ دو دن مجھے آپ کے اخلاق کریمانہ نے روکے رکھا۔ ان دنوں اس فقیر نے بہت کچھ فیوض و برکات حاصل کیے رخصت ہوتے وقت کچھ روپے جو الٰہ آباد کی آمد و رفت میں صرف ہو سکتے تھے بلکہ کچھ زائد ہی مرحمت فرمائے میں نے انکار کیا تو فرمایا یہ تو آپ کے گھر کے عنایت کردہ ہیں انہیں لے لیجئے تو فقیر نے وہ رقم لے لی۔ بعد وصال چند بار عرس میں حاضری ہوئی اس وقت بھی اعلیٰ حضرت کی روحانیت نے اپنے فیوض و برکات سے محروم نہ رکھا۔

2- لاعلمی میں ایک سیّد زادے اعلیٰ حضرت کے یہاں ملازم ہوئے۔ جب سیادت کا علم

ہوا تو گھر والوں کو تاکید کر دی کہ شہزادے سے خدمت نہ لی جائے اور جو کچھ دینے کا وعدہ ہو چکا ہے بطور نذر پیش کیا جائے نہ بطور اجرت کچھ دنوں بعد وہ سید زادے چلے گئے کیونکہ بے محنت رقم لینا پسند نہ آیا۔

3۔ جب میلاد شریف وغیرہ کا تبرک تقسیم ہوتا تو سادات کرام کو دوہرا حصہ دیا جاتا ایک بار سید محمود جان صاحب کو غلطی سے ایک ہی حصہ پہنچا۔ اعلیٰ حضرت کو علم ہوا تو تلافی میں باصرار پوری ایک سینی پیش کی اور اپنے خادم کے ذریعے ان کے گھر تک بھجوائی۔

4۔ مکان کا ایک حصہ تعمیر کی وجہ سے لوگوں کی آمد و رفت کیلئے مردانہ قرار پایا مستورات دوسرے مکان میں بھیج دی گئیں۔ بعد تعمیر پھر منتقل ہو گئیں۔ ایک سید صاحب جو اس مکان میں پہلے مورد خاص و عام ہونے کے وقت تشریف لا چکے تھے مستورات کے آنے کے بعد بھی ناواقفی میں آنگن تک چلے آئے باہر کے خدام بھی کہیں جا چکے تھے اس لیے کوئی بتانے والا بھی نہ ملا۔ انہیں احساس ہوا کہ یہ مکان اب زنانہ ہو گیا تو بہت شرمندہ ہوئے اعلیٰ حضرت کی نظر پڑی تو سمجھ گئے اپنے پاس بٹھا کر باتوں میں لگالیا اور اس طرح دل جوئی فرمائی کہ ان کا احساس ندامت جاتا رہا۔ پھر باہر تک آ کر خود رخصت کیا۔ سبحان اللہ!

آل رسول کے قلب پر ندامت خانگی کا اثر دیکھنا بھی اس عاشق رسول کو گوارا نہ ہوا اور ایسی ناز برداری فرمائی کہ ماشاء اللہ۔

5۔ ایک سید صاحب کی آواز کانوں میں پڑی ''دلواؤ سید کو''۔ اسی دن اخراجات کی رقوم مولانا حسن رضا خان نے لا کر دی تھیں۔ پورا بکس لے جا کر پیش کیا، جس میں چھوٹے بڑے نوٹ اٹھنیاں، چونیاں روپے پیسے دو سو کے قریب تھے۔ سید صاحب بغور دیکھتے رہے اور صرف ایک چونی لے لی۔ اعلیٰ حضرت نے کہا حضور! سبھی حاضر ہے۔ فرمایا: بس! اس کے بعد گھر والوں کو تاکید کر دی کہ سید صاحب نظر آئیں تو ایک چونی حاضر کر دی جائے۔ انہیں مانگنے کی ضرورت نہ پڑے۔

تعظیم سادات سے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی صبح و شام معطر ہے کوئی لکھے تو کہاں تک لکھے۔ ان کا جلوہ ان کے صاحبزادے مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں سینکڑوں حضرات بچشم خود ملاحظہ کر چکے ہیں عشق رسول ہو تو تعظیم آلِ رسول خود بخود پیدا ہو جاتی ہے سادات کرام تو جزو بدن ہیں۔

امام احمد رضا نے آثار مبارکہ کی تعظیم میں بھی رسالے لکھے ہیں۔ ”بدر الانوار فی آداب الآثار“ اور ”شفاالوالیہ فی صورالحبیب ومزارہ ولغالیہ“ قابل دید ہیں۔ صرف عشق و محبت ہی نہیں بلکہ علم و شریعت کی زبان میں آثار کی تعظیم کو مدلل فرمایا ہے اور عام طور سے جو شکوک و شبہات پیش کیے جاتے ہیں، ان کا ازالہ فرمانے کے ساتھ ساتھ بہت سے آداب و مسائل اور افراط و تفریط کے بین حدود شرعیہ بھی لکھی ہیں۔

قوت ایمانی اور یقین کامل:

ولی اور صوفی کے لئے لازمی شرط ایقان و ایمان میں عامۃ الناس سے زیادہ کامل ہونا ہے۔ اسی کو قرآن نے ”اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ“ میں ذکر فرمایا ہے۔ یہ رسوخ و یقین اعلیٰ حضرت کی پوری زندگی میں نظر آتا ہے۔ ان کے افکار و عقائد یقین محکم بنیادوں پر قائم ہیں۔ خواہ وہ اصولی ہوں یا فروعی، مگر جو عقیدہ حقہ وہ رکھتے ہیں، اس میں راسخ و مستحکم ہیں اور یہ استحکام صرف علم سے ہرگز پیدا نہیں ہوتا، اس کیلئے عرفان ضروری ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے توکل علی اللہ کے چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

1 - ایک مرتبہ کسی غریب کے ہاں دعوت میں گائے کے گوشت کے کباب تیار کیے گئے تھے۔ گائے کا گوشت آپ کی طبیعت کے لئے سخت مضر تھا لیکن ازراہ اخلاص صاحب خانہ سے اور کوئی چیز طلب نہ کی اور وہی کباب کھالیے۔ اسی دن سے مسوڑھوں میں ورم ہو گیا اور اتنا بڑھا کہ بات چیت بند ہو گئی، کان کے پیچھے گلٹیاں نمودار ہو گئیں، ساتھ ہی بخار آ گیا۔ ان دنوں بریلی شریف میں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی تھی۔ طبیب کو بلایا۔ اس نے یہ کیفیت دیکھ کر کہا: یہ وہی ہے وہی ہے یعنی طاعون۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: میں خوب جانتا ہوں کہ یہ بات غلط

ہے۔ نہ مجھے طاعون ہے، نہ انشاء اللہ کبھی ہو گا۔ اس لیے کہ میں نے طاعون زدہ کو دیکھ کر بارہا وہ دعا پڑھ لی ہے، جسے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی بلا رسیدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھے گا اس بلا سے محفوظ رہے گا۔ دعا یہ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلاً ۔

اعلیٰ حضرت طاعون کے کئی مریضوں کو دیکھ کر یہ دعا پڑھ چکے تھے اور انہیں یقین صادق تھا کہ یہ مرض مجھے لاحق نہ ہو گا۔ چنانچہ رات کے آخری حصے میں بے چینی بڑھی تو یہ دعا کی:

اَللّٰهُمَّ صَدِّقِ الْحَبِیْبَ وَكَذِّبِ الطَّبِیْبَ

”اے اللہ اپنے حبیب کریم ﷺ کی بات سچی کر دکھا اور طبیب کی بات جھوٹی بنا دے“۔

اتنے میں جیسے کسی نے دائیں کان کے قریب منہ کر کے کہا: کالی مرچ اور مسواک استعمال کرو۔ ان دونوں چیزوں کا استعمال کرنا تھا کہ کلی بھر خون آیا اور طبیعت بحال ہو گئی اور طبیب کو پیغام بھجوا دیا کہ آپ کا وہ طاعون دفع ہو گیا۔

2- اعلیٰ حضرت جب دوسری مرتبہ حج پر گئے تو وہاں طبیعت خراب ہو گئی۔ محرم کے آخری دنوں میں طبیعت ٹھیک ہوئی تو آپ نے حمام میں غسل فرمایا۔ باہر آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ گھٹا چھا گئی ہے۔ حرم شریف تک پہنچتے پہنچتے بارش شروع ہو گئی۔ معاً آپ کو ایک حدیث یاد آ گئی کہ ”جو بارش میں طواف کرے، وہ رحمت الٰہی میں تیرتا ہے۔“ آپ نے اسی وقت حجر اسود کو بوسہ دیا اور طواف شروع کر دیا، بخار سردی کی وجہ سے پھر لوٹ آیا۔ مولانا سید اسماعیل صاحب نے بخار دیکھ کر فرمایا کہ ایک ضعیف حدیث کیلئے آپ نے اپنی جان کو تکلیف دی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے جو جواب دیا، وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ نے فرمایا: ”حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے امید تو قوی ہے۔“

3- ایک روز مولوی محمد حسین صاحب (موجد طلسمی پریس) کے والد ماجد جو علم نجوم میں کامل اور اس فن کے ماہر تھے۔ اعلیٰ حضرت کے پاس آئے تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا: فرمایئے! بارش کا کیا اندازہ ہے؟ کب تک ہو گی؟ انہوں نے ستاروں کی وضع سے زائچہ بنایا اور فرمایا کہ اس مہینے پانی نہیں ہے۔ آئندہ ماہ میں ہو گا۔ یہ کہہ کر وہ زائچہ اعلیٰ حضرت کی طرف بڑھایا۔ اعلیٰ حضرت نے دیکھ کر فرمایا: اللہ کو سب قدرت ہے، چاہے تو آج بارش ہو۔ انہوں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ ستاروں کی وضع کو نہیں دیکھتے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں سب دیکھ رہا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ ستاروں کے واضع اور اس کی قدرت کو بھی دیکھ رہا ہوں، پھر اس مشکل مسئلہ کو یوں سمجھایا کہ سامنے کلاک لگی ہوئی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے ان سے پوچھا وقت کیا ہے؟ بولے: سوا گیارہ بجے ہیں۔ فرمایا: بارہ بجنے میں کتنی دیر ہے۔ بولے: پون گھنٹہ۔ حضرت نے فرمایا: اس سے قبل؟ کہا: نہیں! ٹھیک پون گھنٹہ۔ اعلیٰ حضرت اٹھے اور بڑی سوئی کو گھما دیا۔ فوراً ٹن ٹن بارہ بجنے لگے۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ نے تو فرمایا تھا کہ ٹھیک پون گھنٹہ بارہ بجنے میں ہے۔ بولے کہ آپ نے اس کی سوئی کھسکائی ہے۔ ورنہ اپنی رفتار سے پون گھنٹہ بعد ہی بارہ بجتے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اسی طرح رب العزت جل جلالہٗ قادر مطلق ہے کہ جس ستارے کو جس وقت چاہے جہاں چاہے پہنچا دے۔ وہ چاہے تو ایک مہینہ ایک ہفتہ ایک دن کیا ابھی بارش ہونے لگے۔ اتنا زبان مبارک سے نکلنا تھا کہ چاروں طرف سے گھنگھور گھٹا آ گئی اور پانی برسنے لگا۔

ے فلسفی رکھتا ہے ان اسباب پر اپنی نظر
اور مومن کی ہے نظر خالق اسباب پر

4- حدیث شریف میں ایک دعا ہے کہ کشتی پر سوار ہوتے وقت پڑھ لی جائے تو غرق سے حفاظت رہے گی۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے پہلے حج میں جہاز پر سوار ہوتے وقت وہ دعا پڑھ لی تھی۔ ساتھ میں والدین رحمہما اللہ بھی تھے۔ سمندر میں سخت طوفان

آ گیا۔ لوگوں نے کفن پہن لیے۔ تین دن مسلسل طوفان جاری رہا اور بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: والدہ ماجدہ سخت پریشان ہوئیں۔ ان کا اضطراب دیکھ کر بے ساختہ میری زبان سے نکلا: آپ اطمینان رکھیں۔ خدا کی قسم! یہ جہاز نہ ڈوبے گا۔" میں حدیث پاک کے وعدۂ صادقہ پر مطمئن تھا۔ پھر بھی قسم کے نکل جانے سے مجھے اندیشہ ہوا تو معاً حدیث یاد آ گئی مَنْ یَّتَاَلَّ عَلَی اللّٰہِ یُکَذِّبْہُ، حضرت عزت کی طرف رجوع کیا اور سرکار رسالت سے مدد مانگی۔

آنے دو یا ڈبو دو اب تو تمہاری جانب
کشتی تمہی پہ چھوڑی لنگر اٹھا دیے ہیں

وہ باد مخالف جو تین دن سے بقوت چل رہی تھی۔ بحمد اللہ گھڑی بھر میں موقوف ہو گئی اور جہاز نے نجات پائی۔

جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

تقویٰ و پرہیز گاری

امام احمد رضا کی پوری زندگی شریعت مصطفیٰ و سنت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی پابندی سے آراستہ ہے۔ ان کے تقویٰ کی شان بڑی بلند و بالا ہے۔ چند واقعات پیش کیے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ وہ تقویٰ ہی نہیں ورع کی بلند منزل پر فائز تھے اور اِنْ اَوْلِیَاؤُہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ کے مطابق متقی، کامل اور ولی عارف تھے۔

1- امام احمد رضا کی زندگی کا آخری رمضان 1339ھ میں تھا، اس وقت ایک تو بریلی شریف میں سخت گرمی تھی دوسرے عمر مبارک کا آخری حصہ اور ضعف و مرض کی شدت۔ شریعت اجازت دیتی ہے کہ شیخ فانی روزہ نہ رکھ سکے تو فدیہ دے اور ناتواں مریض کو اجازت دیتی ہے کہ قضا کرے لیکن امام احمد رضا کا فتویٰ اپنے لیے کچھ اور ہی تھا جو درحقیقت فتویٰ نہیں تقویٰ تھا۔ انہوں نے فرمایا: بریلی میں شدت گرما کے سبب میرے لیے روزے رکھنا ممکن نہیں لیکن پہاڑ پر ٹھنڈک ہوتی ہے۔ یہاں سے نینی تال قریب ہے بھوالی پہاڑ پر روزہ رکھا جا سکتا ہے میں وہاں

جانے پر قادر ہوں لہٰذا میرے لئے وہاں جا کر روزے رکھنا فرض ہے چنانچہ رمضان وہیں گزارا اور پورے روزے رکھے۔

2- سیّد ایوب علی رضوی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ اعلیٰ حضرت قبلہ کی بارگاہ میں ایک شخص حاضر ہوا اور بدایوانی پیڑوں والی ایک کوری ہانڈی پیش کی۔ حضور نے فرمایا: کیسے تکلیف فرمائی؟ انہوں نے کہا کہ حضور کو سلام کرنے کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ حضور جواب سلام فرما کر کچھ دیر خاموش رہے اور پھر دریافت فرمایا: کوئی کام ہے؟ انہوں نے عرض کیا: کچھ نہیں حضور! محض مزاج پرسی کیلئے آیا تھا۔ ارشاد فرمایا: عنایت و نوازش! قدرے سکوت کے بعد حضور نے پھر فرمایا: کچھ فرمایئے گا۔ انہوں نے پھر نفی میں جواب دیا۔ اس کے بعد حضور نے وہ ہانڈی مکان میں بھجوا دی۔ اب وہ صاحب تھوڑی دیر کے بعد ایک تعویذ کی درخواست کرنے لگے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تو آپ سے تین مرتبہ دریافت کیا مگر آپ نے کچھ نہ بتایا۔ اچھا! تشریف رکھیے اور اپنے بھانجے علی احمد خان سے تعویذ منگوا کر ان صاحب کو عطا فرمایا اور ساتھ ہی حاجی کفایت اللہ نے حضور کا اشارہ پاتے ہی مکان سے ہانڈی سامنے رکھ دی اور فرمایا: اس ہانڈی کو ساتھ لیتے جایئے۔ میرے یہاں تعویذ نہیں بکتا۔ انہوں نے بہت معذرت کی مگر آپ نے قبول نہ فرمایا، بالآخر وہ بیچارے صاحب اپنی شیرینی واپس لے گئے۔

3- شیر بیشہ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی خان ؒ 29 شعبان المعظم 1337ھ کا اپنا عینی مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ ایک خط میں اعلیٰ حضرت ؒ اپنے القابات کے ساتھ ''حافظ'' ملاحظہ فرما کر آبدیدہ ہو گئے، خوفِ خدا سے دل کانپ اٹھا فرمایا: ''میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ میرا حشر ان لوگوں میں نہ ہو، جن کے بارے میں قرآن عظیم فرماتا ہے: یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَالَمْ یَفْعَلُوْا یعنی وہ اسے پسند کرتے ہیں کہ ان کی ایسی خوبیاں بیان کی جائیں جو ان میں نہیں ہیں۔'' اس کے بعد آپ نے حفظ کرنے کا ارادہ پختہ کر لیا اور یکم رمضان المبارک سے حفظ

شروع کیا اور 30 رمضان المبارک کو بمع دور قرآن شریف مکمل حفظ کرلیا۔

نماز باجماعت کا اہتمام

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز حضر و سفر' صحت و علالت ہر حال میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا ضروری خیال کرتے تھے۔ نیز چونکہ آپ کی تحقیق کے مطابق چلتی ریل میں نماز ادا کرنا درست نہ تھا کیونکہ نماز کے لئے ''استقرار علی الارض'' حتی الامکان ضروری ہے' اسی لئے کہیں بھی روانگی سے قبل جس گاڑی میں سفر کرنا ہوتا اور جس گاڑی سے واپسی کا قصد ہوتا' پانچوں نمازوں کا وقت جس جس اسٹیشن پر شروع ہوتا اور جس جس اسٹیشن تک رہتا' ان جگہوں پر نشانِ اوقات دے دیا جاتا اور وقتوں کے نام لکھ دیئے جاتے' اس کے لئے ضروری تھا کہ ٹائم ٹیبل منگوا کر گاڑیوں کے رُکنے کے اوقات و مقامات معلوم کیے جاتے پھر بمطابق قواعدِ علم ہیئت ان جگہوں کا طول و عرض معلوم کرکے اوقاتِ صلوٰۃ نکالے جاتے' جب اس طرح مکمل طور پر اطمینان ہو جاتا کہ اس سفر میں سب نمازیں ادا ہوسکیں گی۔ تب مصمم قصد فرماتے اور کسی سے تشریف آوری کے لئے وعدہ کرتے' سب لوگ اسی مقررہ نقشے کے مطابق ایک دو اسٹیشن پہلے سے وضو کرکے تیار رہتے اور جب وہ اسٹیشن آتا جہاں نماز کا وقت لکھا ہے' جماعت کھڑی ہو جاتی۔ سفر میں جا کر سب نمازوں کو ادا کرنا دشوار تو کیا ناممکن تھا۔ خصوصاً لمبے سفروں میں تاہم آپ جماعت سے نماز ادا کرنے کو ضروری خیال فرماتے اور اس پر سختی سے عامل تھے اگر کسی گاڑی سے سفر کرنے میں اوقاتِ نماز اسٹیشن پر نہ ملتے تو اس گاڑی پر سفر نہ فرماتے بلکہ دوسری گاڑی اختیار فرماتے یا نماز باجماعت کے لیے اسٹیشن پر اُتر جاتے اور اس گاڑی کو چھوڑ دیتے اور نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد جو گاڑی ملتی بقیہ سفر اُس سے پورا فرماتے۔

ایک بڑا عجیب قسم کا واقعہ ہے کہ جب آخری سفر حج و زیارات کے لئے 1323ھ میں پروگرام بنا تو صورتحال کچھ یوں تھی کہ اگر آگرہ اسٹیشن پر گاڑی بدلتے تو نماز کا وقت چلا جاتا اور نماز نہ ملتی لیکن گاڑی ریزرو کرا لینے کی صورت میں بدلنے کی ضرورت

نہ پڑتی بلکہ سیکنڈ کلاس کا وہ ڈبہ ہی کاٹ کر بمبئی والی گاڑی میں جوڑ دیا جاتا اور نماز با جماعت مل جاتی۔ اب باوجودیکہ حضور تن تنہا تھے اور گھر کے لوگوں میں سے کوئی بھی ساتھ نہ تھا کہ وہ سب پہلے سے ہی بمبئی روانہ ہو چکے تھے، صرف ایک خادم حاجی کفایت اللہ اور شاگرد مولوی نذیر احمد، جو اس زمانے میں علم تکسیر و جفر سیکھ رہے تھے، آپ کے ساتھ تھے لیکن آپ نے دو سو پینتیس روپے تیرہ آنے میں سیکنڈ کلاس کا ایک ڈبہ ریزرو کرالیا تھا۔ اس کے باوجود کہ ننھے میاں (برادرِ اصغر) نے اس کی مخالفت بھی کی، حضور اپنے دونوں بھائیوں کی بات حد سے زیادہ مانتے تھے اور ان کی دل شکنی نہیں چاہتے تھے مگر نماز کے معاملے میں ان کی مخالفت کی بھی انہوں نے پروا نہیں کی اور ایک کثیر رقم صرف کر کے صرف نمازِ فجر با جماعت ادا کرنے کے لیے سیکنڈ کلاس کا ایک ڈبہ بریلی شریف سے بمبئی تک ریزرو کر کے سفر اختیار فرمایا، جب گاڑی آگرہ پہنچی اور حضور نے نماز با جماعت ادا فرمائی تو اسٹیشن ہی سے خط تحریر کیا کہ "الحمد للہ! نماز با جماعت ادا ہو گئی، میرے روپے وصول ہو گئے، آگے مفت میں جا رہا ہوں"۔

اگرچہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اعلیٰ حضرت آگرہ میں سفر قطع فرما دیتے اور نماز کے لیے اس گاڑی کو چھوڑ دیتے پھر کسی دوسری گاڑی میں سوار ہو کر بمبئی پہنچتے لیکن اس صورت میں جس جہاز سے صاحبزادہ صاحب اور گھر کے لوگ جا رہے تھے، وہ جہاز نہ ملتا اور اس طرح گاڑی ریزرو کروا لینے سے نماز با جماعت بھی ادا ہو گئی اور بمبئی سے سب عزیزوں کا جہاز میں ساتھ بھی ہو گیا۔ غرض انہی مسائل کی وجہ سے اعلیٰ حضرت سفر بہت کم کرتے۔ گویا کرتے ہی نہ تھے، اگر عام مشائخ کی طرح سیر و سیاحت میں وقت صرف کرتے تو مریدین سے ہی فراغت نہ ہوتی۔ علاوہ بریں حضور اس قدر سادہ وضع میں رہتے کہ کوئی شخص یہ بھی خیال نہیں کر سکتا تھا کہ مولانا احمد رضا خاں، جن کی شہرت شرق سے غرب اور شمال سے جنوب تک ہے، یہی ہیں۔

کرامات:

کرامت اگرچہ اولیاء اللہ کیلئے نہ باعثِ افتخار، نہ اعلیٰ حضرت کیلئے سببِ عزّ و وقار

ہے۔ سب سے بڑی کرامت آپ کی ''استقامت علی الشریعت'' ہے اور یہی علمائے کرام وصوفیائے عظام کے نزدیک اصل چیز ہے کہ ''الاستقامۃ فوق الکرامۃ'' اس لیے کہ کرامت میں حظ نفس ہے اور استقامت میں کسر نفس اور یہ بہت ہی اہم اور اقدم ہے۔ چند کراماتِ مقدسہ ملاحظہ ہوں۔

1- اعلیٰ حضرت کے ایک مرید بااخلاص امجد علی خان، بھینسوڑی شریف کے رہنے والے تھے۔ شکار کے بہت شائق تھے۔ اتفاق سے ایک دن شکار کو گئے تو گولی بجائے شکار کے آدمی کو لگی اور وہ مر گیا۔ پولیس نے مقدمہ قائم کر دیا اور قتل ثابت ہونے پر پھانسی کی سزا سنائی گئی۔ پھانسی کی تاریخ سے پہلے ان کے رشتہ دار آخری ملاقات کیلئے جیل میں گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ امجد علی خان کے چہرے پر کسی قسم کی پریشانی کے نشانات نہیں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے امجد علی خان کی یہ کیفیت دیکھ کر اس سے پوچھا کہ تمہیں دو دن کے بعد پھانسی دے دی جائے گی۔ مگر ہم تمہارے چہرے پر اس کا کوئی اثر نہیں دیکھ رہے ہیں۔ امجد علی خان نے جواب دیا کہ میرے پیر ومرشد اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی مجھے خواب میں ملے ہیں اور انہوں نے بتایا ہے کہ انگریزی عدالت تم کو پھانسی نہیں دے سکے گی۔ دوسرے روز امجد علی خان کی والدہ اسے جیل ملنے کیلئے گئی۔ والدہ کے دل میں پھانسی کا خیال آتا تو بہت روتی۔ حوصلہ مند بیٹے نے پورے اعتماد کے ساتھ والدہ کو بتایا کہ مجھے پھانسی نہیں ہوگی اور میں انشاء اللہ کل ناشتہ آپ کے ساتھ گھر پر آکر کروں گا۔ پھانسی کی مقررہ تاریخ پر صبح سویرے اسے جیل سے نکال کر پھانسی کے تختہ پر کھڑا کر دیا اور پوچھا: اپنی آخری خواہش بتاؤ۔ انہوں نے جواب دیا: ابھی میرا وقت نہیں آیا، وہ حیرت سے منہ تکنے لگے کہ عجب دیوانہ ہے۔ تختہ دار پر کھڑا کیا جا چکا ہے جان جانے میں صرف پھندا کھینچنے کی دیر ہے اور کہتا ہے ابھی میرا وقت نہیں آیا۔ اتنے میں ایک قاصد دوڑتا ہوا آیا اور دور سے ہی یہ کہہ رہا تھا کہ رک جاؤ۔ جب وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ ملکہ وکٹوریہ کی تاج پوشی کی

خوشی میں انگریز حکومت نے کئی مجرموں کو عام معافی دے دی ہے۔ ان میں امجد علی خان بھی شامل تھا۔ ان کو اتار لیا گیا' گھر آ کر دیکھا تو لاش لانے کی تیاری ہو رہی تھی اور کہرام بپا تھا۔ انہیں دیکھ کر سب حیرت زدہ رہ گئے۔ امجد علی نے کہا: میں نہ کہتا تھا کہ مجھے پھانسی نہ ہوگی اور میں ناشتہ آپ کے ساتھ آ کر گھر پر کروں گا۔

2- حاجی کفایت اللہ صاحب بیان کرتے ہیں اعلیٰ حضرت بنارس تشریف لے گئے ایک دن دوپہر کو ایک جگہ دعوت تھی' میں ہمراہ تھا۔ واپسی میں تانگے والے سے فرمایا اس طرف فلاں مندر کے سامنے سے ہوتے ہوئے چل! مجھے حیرت ہوئی کہ اعلیٰ حضرت بنارس کب تشریف لائے اور کیسے یہاں کی گلیوں سے واقف ہوئے اور اس مندر کا نام کب سنا؟ اسی حیرت مین تھا کہ تانگہ مندر کے سامنے پہنچا۔ دیکھا کہ ایک سادھو مندر سے نکلا اور تانگہ کی طرف دوڑا آپ نے تانگہ رکوا دیا۔ اس نے اعلیٰ حضرت کو ادب سے سلام کیا اور کان میں کچھ باتیں ہوئیں جو میری سمجھ سے باہر تھیں۔ پھر وہ سادھو مندر میں چلا گیا۔ ادھر تانگہ بھی چل پڑا تب میں نے عرض کی حضور یہ کون تھا فرمایا: ابدال وقت۔ عرض کی' مندر میں! فرمایا: آم کھایئے' پتے نہ گنیے۔

3- سید ایوب علی رضوی بیان کرتے ہیں کہ مکان کلان جہاں بعد میں حضرت مولانا حسن رضا خان صاحب رہنے لگے تھے۔ اس کی شمالی دیوار برسات میں گر گئی تھی عارضی طور پر پردے کا اہتمام و انتظام کرلیا گیا تھا۔ اس طرف ایک غیر مسلم کا مکان تھا۔ یہی مکان اعلیٰ حضرت کا قدیم آبائی مکان تھا اور پہلے اعلیٰ حضرت قبلہ بھی اسی مکان میں تشریف رکھتے تھے۔ مسئلہ قربانی بقر کی وجہ سے مخالفت کی بنا پر رات کے وقت اعلیٰ حضرت پر ایک غیر مسلم نے اس طرف سے حملہ کرنا چاہا مگر جب اس طرف آنے کا قصد کرتا تو ایک شیر کو زیر دیوار گشت کرتے ہوئے پاتا' بالآخر اپنے ارادے سے باز رہا۔ صبح کو حاضر خدمت ہوکر معافی چاہی اور سارا

واقعہ بیان کیا۔

؎ تیرے اعدا میں رضا کوئی بھی منصور ہیں

4- سید ایوب علی رضوی ہی بیان کرتے ہیں کہ ایک صاحب اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میری بیوی کا انتقال ہوگیا ہے' گھر میں میت پڑی ہوئی ہے۔ تجہیز و تکفین کیلئے میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔ حضور میری مدد فرمائیں۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے نور باطن سے جان لیا کہ یہ نوسر باز ہے اور اس کو ذلیل کر کے نہیں نکالا بلکہ کچھ رقم مولانا ذکاء اللہ خان رضوی صاحب کو دے کر فرمایا کہ آپ ان کے ساتھ چلے جایئے اور کفن وغیرہ کا سامان کر دیجئے۔ خان صاحب حسب الارشاد ان کے ساتھ گئے اور تھوڑی دیر میں واپس آ کر جو رقم لے گئے تھے۔ حضور کے حوالہ کر دی اور عرض کیا کہ ان صاحب نے کچھ دور جا کر مجھ سے کہا کہ بھائی میت وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ میرے پاس جو دام تھے وہ جوئے میں ہار آیا ہوں' مجھے داؤں کیلئے ضرورت ہے لہٰذا جو کچھ رقم آپ لائے ہیں' آدھی آپ لے لیجئے اور آدھی مجھے دے دیجئے۔

5- اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایک بار پیلی بھیت سے بریلی بذریعہ ریل جا رہے تھے۔ راستہ میں نواب گنج کے اسٹیشن پر ایک دو منٹ کے لیے ریل رُکی' مغرب کا وقت ہو چکا تھا' حضور ساتھیوں کے ساتھ نماز کے لیے پلیٹ فارم پر اُترے' باقی سب ساتھی پریشان تھے کہ ریل چل جائے گی تو کام خراب ہوگا' لیکن آپ نے اطمینان کے ساتھ اذان دلوائی اور جماعت شروع کر دی' آپ کی دیکھا دیکھی اور بھی بہت سے لوگ ریل سے اُتر کر جماعت میں شامل ہوگئے۔ اُدھر سے گاڑی کا ہارن بج گیا' ٹی ٹی نے جھنڈی ہلا دی۔ اُدھر ڈرائیور انجن چلاتا ہے تو محسوس کرتا ہے کہ جام ہو چکا ہے' بارہا کوشش کرنے کے بعد دل کی تسلی کے لئے گاڑی کو ایک مرتبہ پیچھے دھکیلا تو پیچھے ہوگئی مگر اس جگہ جہاں پہلے تھی' وہاں آ کر رُک گئی' اب تو ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ پیچھے کو تو گاڑی چلتی ہے مگر آگے نہیں چلتی اور اگر چلتی

بھی ہے تو کچھ فاصلے پر جا کر پھر رُک جاتی ہے۔ ٹی ٹی، اسٹیشن ماسٹر، ڈرائیور، سواریاں وغیرہ سب لوگ جمع ہوگئے۔ ڈرائیور نے بتایا کہ انجن میں کوئی خرابی نہیں۔ اسی اثناء میں ایک پنڈت کی نظر اعلیٰ حضرت اور آپ کے دیگر نمازی ساتھیوں پر پڑی تو وہ فوراً پکار اُٹھا کہ وہ دیکھو کوئی درویش نماز پڑھ رہا ہے، شاید ریل اسی کی وجہ سے نہیں چلتی! پھر کیا تھا اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے گرد لوگوں کا ایک جم غفیر جمع ہوگیا مگر آپ نے اطمینان سے فارغ ہو کر دُعا مانگی اور جیسے ہی ریل میں سوار ہوئے تو ریل چل پڑی۔ ریل گاڑی کا ڈرائیور جو کہ ہندو تھا، اس واقعے سے بہت متاثر ہوا اور اگلے ہی دن بریلی شریف حاضر ہو کر اعلیٰ حضرت کے ہاتھ پر قبولِ اسلام کیا اور حلقۂ ارادت میں بھی شامل ہوگیا۔

6- حضرت مولانا محمد اقبال احمد نوری (مؤلف شمع شبستان رضا) بیان کرتے ہیں کہ عرصہ 20 سال کا ہوا کہ حاجی حسین احمد صاحب رضوی نے نجیب آباد میں اتفاقیہ ملاقات کے دوران ایک عجیب واقعہ بیان کیا کہ جب میں بریلی ہائی سکول میں پڑھ رہا تھا اور وہیں بورڈنگ ہاؤس میں رہتا تھا اور ہفتہ میں دو تین بار اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میرٹھ کی ایک ٹیم ہر جگہ سے میچ جیت کر فائنل میچ کھیلنے بریلی آئی ہیڈ ماسٹر انگریز بھی ساتھ تھا۔ پہلے روز بریلی کی ٹیم کھیلی اور بیس رن بنا کر پوری ٹیم آؤٹ ہوگئی جس کے سبب بڑی سراسیمگی پیدا ہوگئی اور جیتنے کا کوئی امکان نہ رہا۔ اسی روز نمازِ بعد مغرب مَیں اور غلام جیلانی کہ ہم دونوں ہم سبق اور پیر بھائی تھے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ میرٹھ اور بریلی دونوں جگہ کے کھیلنے والے یہی امید لیے ہوئے ہیں کہ ہماری جیت ہوگی۔ پھر بریلی کے طلباء کی اگر کوئی امداد کی جائے جبکہ دونوں فریقین میں مسلم اور غیر مسلم طلباء موجود ہوں گے۔ عرض کیا: ہاں حضور! بات تو یہی ہے مگر ماسٹر قرب محمد صاحب جو سید ہیں حضور انہیں خوب جانتے ہوں گے۔ فرمایا:

ہاں! عرض کیا: وہ لڑکوں کو گیند بلا بھی کھلاتے ہیں اور ڈرل ماسٹر بھی ہیں۔ ان کی تنخواہ میں پندرہ روپیہ ترقی اس شرط پر قرار پائی ہے کہ بریلی والے جیت جائیں فرمایا یہ بات قابل غور ہے۔ ارشاد فرمایا: اگر میرٹھ والوں کے سولہ رن بنیں تو بریلی والوں کی جیت ہے عرض کیا جی حضور! اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ کل صبح جب بریلی کے لڑکے کھیلنے کیلئے چلیں تو ان میں سے جو مسلمان ہوں انہیں سکھا دیا جائے کہ بسم اللہ پڑھ کر قدم بڑھائیں اور سیدھے ہاتھ کی انگلیوں پر چھنگلیا سے شروع کریں اور کٓهٰیٰعٓصٓ یہ پانچ حروف ہیں ہر حرف پڑھتے جائیں اور ایک ایک انگلی بند کرتے جائیں پھر الٹے ہاتھ پر حٰمٓعٓسٓقٓ یہ بھی پانچ حرف ہیں ہر ہر حرف پڑھتے جائیں اور ایک ایک انگلی بند کرتے جائیں جب دونوں مٹھیاں بند ہو جائیں تب سورۂ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ پڑھیں جب تَرْمِیْهِمْ پر پہنچیں تو اسی کو دس بار پڑھیں اور ہر بار سیدھے ہاتھ کی ایک ایک انگلی کھولتے جائیں پھر الٹے ہاتھ کی یہاں تک دس بار تَرْمِیْهِمْ پڑھنے میں دسوں انگلیاں کھل جائیں گی پھر بقیہ سورۃ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ پڑھ کر اپنی جگہ جا کر کھڑے ہو جائیں اور جو لڑکا گیند پھینکے اسے سکھا دیں کہ ہر مرتبہ حٰمٓ يَنْصُرُوْنَ پڑھ کر گیند پھینکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ 16 رن بنا کر میرٹھ کے وہ سب لڑکے آؤٹ ہو گئے جو نامعلوم کہاں کہاں سے جیت کر آئے تھے۔

یہ تھی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی فن ریاضی میں کمال کہیے یا کرامت کہ آپ نے ہمیشہ کیلئے ایک ایسا عمل عطا فرما دیا کہ اس عمل کے ذریعہ ہر قسم کے مقابلوں میں فتح حاصل کی جا سکتی ہے بعض عاملین نے اس پر یہ کہا کہ کسی بھی قیمت پر میرٹھ والوں کے سولہ رن سے زیادہ بن ہی نہیں سکتے تھے کیونکہ اس عمل میں بھی ایک عجیب فلسفہ اور حکمت ہے کٓهٰیٰعٓصٓ میں پانچ حروف ہیں حٰمٓعٓسٓقٓ میں پانچ حروف ہیں اور تَرْمِیْهِمْ میں چھے حرف ہیں اس طرح کل ملا کر سولہ حرف ہوئے پس اعلیٰ حضرت نے اس عمل کے ذریعہ بندش کر دی تھی لہٰذا سولہ رن سے آگے بڑھنا اور اس سے کم ہونا ناممکن تھا۔

کرامات حسی کا تذکرہ یہیں ختم ہوا، یہ ذہن نشین رہے کہ اصل کرامت استقامت علی الشریعہ ہے اس کے بعد اگر کوئی خارق عادت ثابت ہو تو یقیناً کرامت ہو گی ورنہ استدراج میں داخل ہو گا اور امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت یہ بھی ہے کہ ان کے خلفاء، تلامذہ، اور مریدین اصحاب کرامت ہوئے۔ حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی خاص اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے خلیفہ و مرید تھے ان کی جامعیت شریعت و طریقت معروف و مشہور ہے۔ وصال کے بعد برسات کی وجہ سے مزار شریف کا ایک حصہ کھل گیا پورا باغ خوشبو سے معطر ہو گیا، گھوسی کے چھوٹے بڑے سب نے اس کرامت کا مشاہدہ کیا اور عینی شاہدین کا بیان ہے کہ یہ خوشبو نہ پہلے ہم نے کسی چیز میں پائی نہ بعد میں اس کی نظیر نظر آئی۔ غیروں نے بھی دیکھا اور برملا اس کا اعتراف کیا۔

اعلیٰ حضرت کے خلف اصغر حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ علیہ ملفوظات کے دیباچہ میں فرماتے ہیں۔ صحبت بغیر رنگ لائے نہیں رہتی اور پھر اچھوں کی صحبت اور وہ بھی کون۔ جنہیں سید العلماء کہیں تو حق یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ جنہیں تاج العرفاء کہیں تو بجا۔ جنہیں مجدد وقت اور امام الاولیاء سے تعبیر کریں تو صحیح جنہیں حرمین طیبین کے علمائے کرام نے مدائح جلیلہ سے سراہا اور انہ السید الفرد الامام کہا، ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، انہیں اپنا شیخ طریقت بنایا۔ ان سے سندیں لیں، اجازتیں لیں، انہیں اپنا استاد بنایا۔ پھر ایسے کی صحبت کیسی بابرکت صحبت ہو گی۔ سچ تو یہ ہے کہ صحبت کی برکت نے انسان کر دیا۔ میری جان ان پاک قدم پر قربان جب سے یہ قدم پکڑے آنکھیں کھلیں اچھے برے کی تمیز ہوئی اپنا نفع و زیاں سوجھا۔ منہیات سے تا بہ مقدور احتراز کیا اور اوامر کی بجا آوری میں مشغول ہوا۔ (الملفوظ 4/1)

یہ اعتراف استفاضہ کافی و وافی ہے اب آپ خود مفتی اعظم کی زندگی پر نظر ڈالیں۔ شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی زندگی، طریقت کے میزان پر تلی ہوئی زندگی اور کرامات و خوارق عادات سے بھری ہوئی زندگی۔ جب زندگی کا یہ عالم ہے تو زندگی ساز کا عالم کیا ہو گا؟

حد تو یہ ہے کہ مولانا سید وصی احمد محدث سورتی (استاذ صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ) جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے عمر میں بیس سال بڑے تھے۔ مولانا محمد اسحاق محشی بخاری کے تلمیذ حدیث حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کے مرید رشید تھے۔ وہ اعلیٰ حضرت سے حصول فیض کا اعتراف کچھ عجب انداز میں کرتے ہیں جو ان کی عالی ظرفی کے ساتھ امام احمد رضا قدس سرہ کا مقام بلند بھی بتاتا ہے۔ حضرت محدث سورتی کے آخری شاگرد حضرت مولانا سید محمد صاحب کچھوچھوی محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ گرامی حضرت محدث سورتی قدس سرہ سے ایک بار پوچھا کہ آپ کو شرف بیعت حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی سے حاصل ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آپ کا شوق جو اعلیٰ حضرت سے ہے وہ کسی سے نہیں۔ اعلیٰ حضرت کی یاد، ان کا تذکرہ، ان کے فضل وکمال کا خطبہ آپ کی زندگی کیلئے روح کا مقام رکھتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے فرمایا: صاحب زادے سب سے بڑی دولت وہ علم نہیں ہے جو میں نے مولوی محمد اسحاق محشی بخاری سے پایا اور وہ بیعت نہیں ہے جو گنج مراد آباد میں نصیب ہوئی۔ بلکہ وہ ایمان ہے جو مدار نجات ہے یہ میں نے صرف اعلیٰ حضرت سے پایا اور میرے سینے میں پوری عظمت کے ساتھ مدینہ کو بسانے والے اعلیٰ حضرت ہیں اس لیے ان کے تذکرے سے میری روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے اور ان کے ایک ایک لمحہ کو اپنے لیے مشعل ہدایت جانتا ہوں۔

محدث اعظم کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت کا انداز بیان اور آنکھیں پرنم مگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ واقعی ولی را ولی می شناسد اور عالم را عالم می داند

(خطبہ صدارت جشن ولادت اعلیٰ حضرت منعقدہ ناگپور)

اب غور کریں کہ ایسی جلیل القدر ہستیوں کو آفتاب و ماہتاب بنانے والا خود کتنا عظیم ہوگا۔ ایسے اکابر نے جس سے درس معرفت حاصل کیا ہو اور وہ جس سے نسبت تربیت رکھتے ہوں وہ کتنا بڑا عارف کامل، ولی واصل، صوفی صادق اور مرشد حاذق ہوگا۔ سچ فرمایا مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی قدس سرہ نے:

؎ جو مرکز ہے شریعت کا، مدار اہل طریقت کا
جو محور ہے حقیقت کا وہ قطب الاولیا تم ہو
ہیں سیارہ صفت گردش کناں طریقت یاں
وہ قطب وقت اے سرخیلِ جمع اولیا تم ہو

قوت حافظہ کا کمال

1- اعلیٰ حضرت کے ہم جماعت مولوی احسان حسین رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں میں ابتدائی تعلیم (عربی) میں حضرت کا ہم سبق رہا ہوں۔ شروع ہی سے آپ کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ استاذ صاحب سے کبھی ربع کتاب سے کم نہیں پڑھی۔ ایک ربع استاذ صاحب سے پڑھنے کے بعد بقیہ تمام کتاب ازخود پڑھ کر سنا دیا کرتے تھے۔

2- مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ اعلیٰ حضرت پیلی بھیت تشریف لے گئے اور حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی قدس سرہ کے مہمان ہوئے۔ اثنائے گفتگو ''العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ'' کا ذکر ہوا۔ حضرت محدث سورتی نے فرمایا کہ میرے کتب خانہ میں ہے۔ اتفاق وقت باوجودیکہ اعلیٰ حضرت کے کتب خانے میں کتابوں کا کافی ذخیرہ تھا اور ہر سال معقول رقم کی نئی کتابیں آیا کرتی تھیں مگر اس وقت عقود الدریہ منگوانے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: میں نے نہیں دیکھی جاتے وقت میرے ساتھ دیجئے گا۔ حضرت محدث صاحب نے بخوشی قبول کیا اور کتاب لاکر حاضری کر دی مگر ساتھ فرمایا کہ جب ملاحظہ فرمالیں تو بھیج دیجئے گا۔ اس لیے کہ آپ کے ہاں تو بہت کتابیں ہیں لیکن میرے پاس یہی گنتی کی چند کتابیں ہیں جن سے فتویٰ دیا کرتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اچھا! اسی دن آپ کا واپسی کا قصہ تھا مگر آپ کے ایک جاں نثار مرید نے حضرت کی دعوت کی۔ جس کی وجہ سے رک جانا پڑا۔

رات کو اعلیٰ حضرت نے عقود الدریہ کو جو دو ضخیم جلدوں پر مشتمل تھی ملاحظہ فرمایا۔ دوسرے دن دوپہر کے بعد ظہر کی نماز پڑھ کر گاڑی کا وقت تھا۔ بریلی شریف

روانگی کا قصد فرمایا۔ جب اسباب درست کیے جانے لگے تو عقود الدریہ کو بجائے سامان میں رکھنے کے فرمایا کہ محدث صاحب کو دے آؤ۔ مجھے تعجب ہوا کہ قصد لے جانے کا تھا واپس کیوں فرما رہے ہیں لیکن کچھ بولنے کی ہمت نہ ہوئی۔ حضرت محدث صاحب کی خدمت میں مَیں جا ہی رہا تھا کہ اتفاقاً محدث صاحب اعلیٰ حضرت سے ملنے اور اسٹیشن تک ساتھ جانے کیلئے زنانہ مکان سے تشریف لا رہے تھے کہ میں نے اعلیٰ حضرت کا ارشاد فرمایا ہوا جملہ عرض کیا۔ پھر میں اس کتاب کو لیے ہوئے حضرت محدث صاحب کے ساتھ واپس ہوا۔ حضرت محدث صاحب نے فرمایا کہ میرے اس کہنے کا کہ جب ملاحظہ فرمالیں تو بھیج دیجئے گا' ملال ہوا کہ اس کتاب کو واپس کیا؟ فرمایا: قصد بریلی ساتھ لے جانے کا تھا اور اگر کل ہی جاتا تو اس کتاب کو ساتھ لیتا جاتا لیکن جب کل جانا نہ ہوا تو شب میں اور صبح کے وقت پوری کتاب دیکھ لی۔ اب لے جانے کی ضرورت نہ رہی۔ حضرت محدث صاحب نے فرمایا: بس ایک مرتبہ دیکھ لینا کافی ہو گیا؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ دو تین مہینہ تک تو جہاں کی عبارت کی ضرورت ہوگی فتویٰ میں لکھ دوں گا اور مضمون تو انشاء اللہ عمر بھر کیلئے محفوظ ہو گیا۔

3- مولوی محمد حسین میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں میرٹھ سے بریلی شریف گیا تو معلوم ہوا کہ حضور کی طبیعت ناساز ہے اور ڈاکٹروں نے ملنے اور باتیں کرنے سے منع کر دیا ہے اس وجہ سے شہر سے باہر ایک کوٹھی میں مقیم ہیں اور وہاں عام لوگوں کو جانے کی اجازت نہیں مگر چونکہ مجھ سے لوگ واقف تھے مجھے پتہ بتا دیا۔ جب میں پہنچا تو دیکھا کہ کوٹھی کا دروازہ بند ہے۔ دستک دینے پر ایک صاحب باہر آئے اور نام وغیرہ پوچھ کر اندر اطلاع کیلئے گئے۔ جب اجازت ملی تو آ کر دروازہ کھولا تو دیکھا بڑا مکان ہے اور صرف ایک دو آدمی ہیں۔ نماز مغرب پڑھ کر حضرت اقدس اپنے پلنگ پر رونق افروز ہوئے تو ہم لوگ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد چار صاحب مولانا مصطفیٰ رضا خان' مفتی امجد علی اعظمی' مولانا حشمت علی خان اور ایک صاحب اور تھے آئے اور پلنگ کے پاس جو کرسیاں

تھیں ان پر بیٹھ گئے۔ اعلیٰ حضرت نے ایک گڈی خطوط کی مولانا امجد علی کو دی اور فرمایا: آج 30 خط آئے تھے۔ ایک میں نے کھول لیا ہے یہ 29 گن لیں۔ انہوں نے 29 خط گن کر ایک خط کھولا جس میں کئی اوراق پر چند سوالات تھے، وہ سب سنائے۔ حضرت نے پہلے سوال کے جواب میں ایک فقرہ فرما دیا۔ وہ لکھنے لگے اور لکھ کر عرض کی حضور! حضرت نے اس کے آگے ایک اور فقرہ فرما دیا وہ لکھنے لگے اور لکھ کر عرض کی حضور! اسی طرح اعلیٰ حضرت سلسلہ وار آگے کا فقرہ فرما دیا کرتے۔ ایک دوسرے صاحب نے اسی دوران ہی اپنا خط سنانا شروع کر دیا۔ جب یہ حضور کہتے، وہ رک جاتے اور جب یہ فقرہ سن کر لکھنے لگتے تو وہ اپنا خط سنانے لگتے۔ اسی دوران ایک تیسرے صاحب اپنا خط سنانے لگے اور جتنا وقت دو ''حضور! حضور!'' سے بچتا اس میں اپنا خط سنانے لگتے۔ اب چوتھے صاحب نے ان تینوں ''حضور! حضور! حضور!'' کے درمیان جو وقت بچا دیکھا تو اپنا خط سنانا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر مجھے حقیقتاً پسینہ آ گیا اور ایک صاحب جو میرے قریب ہی بیٹھے تھے اسی حالت میں کچھ مسئلے پوچھنے لگے۔ جنہیں سن کر مجھے بہت ملال اور غصہ ہوا کہ اس شخص کو ایسی حالت میں سوال کرنے کا کچھ خیال نہیں۔ مگر اعلیٰ حضرت نے ذرہ بھر بھی ملال نہ فرمایا اور بہت اطمینان سے اس کو بھی برابر جواب دیتے رہے اور اس طرح 29 خطوط پورے کیے۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسے حافظہ کا مالک نہیں دیکھا۔

4- اعلیٰ حضرت کے شاگرد رشید حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ جو اعلیٰ حضرت سے فتویٰ نویسی کی تربیت حاصل کر رہے تھے، فرماتے ہیں: ایک دفعہ وراثت کی تقسیم کے سلسلے میں پندرہ واسطوں کے وارثوں کا ایک استفتاء آ گیا۔ مجھے اس کی ترتیب اور جواب لکھنے میں دو راتیں اور ایک دن متواتر محنت کرنا پڑی۔ عصر کے بعد میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ جو کچھ حساب میں کر چکا تھا وہ آپ کے سامنے بیان کر دوں اور جہاں کہیں اصلاح کی ضرورت ہو اصلاح بھی ہو

جائے۔ میں نے اپنا جواب آپ کے سامنے پڑھنا شروع کیا اور اُدھر آپ اپنی انگلیوں پر کچھ حساب کیے جا رہے تھے۔ میں نے پورا استفتاء جو فل سکیپ کاغذ کے دو صفحوں پر مشتمل تھا، پڑھ کر سنایا اور حصہ داروں کیلئے علیحدہ علیحدہ حصے کو ابھی تک بیان نہیں کیا تھا کہ آپ نے فرمایا کہ فلاں حصہ دار کو اتنا حصہ اور فلاں کو اتنا حصہ ملے گا۔ یہ دیکھ کر میری حیرانگی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ جو حساب میں نے دو راتوں اور ایک دن میں لکھ کر مکمل کیا وہ آپ نے چند منٹوں میں کرلیا جو بالکل درست تھا۔

غرضیکہ ان کا حافظہ اور دماغی باتیں ہم لوگوں کی سوچ اور سمجھ سے باہر تھیں۔

حاضر دماغی اور مسکت جوابی:

اعلیٰ حضرت کو خدا تعالیٰ نے ایسا کمال عطا فرمایا تھا کہ علوم جدیدہ کے علمبرداروں کو بھی آپ کے سامنے مجال دم زدن نہ تھی اور بڑے سے بڑا معاند اور عقلمند آدمی بھی آپ کے مسکت جوابات سے لاجواب ہو جایا کرتا تھا۔

1- ایک روز ایک ندوی مولوی صاحب اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے جناب! میں ایک ضروری بات کیلئے حاضر ہوا ہوں، وہ یہ کہ میری رائے کے مطابق کسی کو برا نہیں کہنا چاہیے۔ اس لیے کہ صائبؔ نے کہا ہے:

؎ دہن خویش بدشنام میالا صائب
کین ز قلب بہرکس کہ دہی باز دہد

اعلیٰ حضرت نے فرمایا: آپ نے بجا فرمایا: جہاں اختلافات فرعیہ ہوں جیسے باہم حنفیہ و شافعیہ وغیرہما فرق اہل سنت میں۔ وہاں ہرگز ایک دوسرے کو برا کہنا جائز نہیں اور فحش و دشنام جس سے دہن آلودہ ہو کسی کو بھی نہ چاہیے۔

ندوی مولوی صاحب کہنے لگے۔ بات کچھ اختلافات فروعی کی نہیں زمانہ رسالت میں دیکھئے منافق لوگ کیسے مسلمانوں میں گھلے ملے رہتے تھے۔ نماز ساتھ پڑھتے تھے، مجالس میں اکٹھے شریک رہتے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: ہاں! صدر اسلام میں ایسا

تھا۔ مگر اللہ عزوجل نے صاف ارشاد فرما دیا تھا کہ یہ گھال میل جو ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں یوں نہ رہنے دے گا۔ ضرور خبیثوں کو طیبوں سے الگ کر دے گا۔ چنانچہ فرمایا:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ

اس کے بعد آپ کو معلوم ہے کیا ہوا۔ بھری مسجد میں خاص جمعہ کے دن علیٰ رءوس الاشہاد حضور اقدس ﷺ نے نام بنام ایک ایک کو فرمایا: اخرج یا فلان فانك منافق۔ اے فلاں! نکل جا تو منافق ہے۔ نماز سے پہلے سب کو نکال دیا۔ یہ حدیث طبرانی وابن ابی حاتم میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے مخالفین دین کے ساتھ یہ برتاؤ ان کا ہے، جنہیں اللہ ربّ العزت جل جلالہٗ رحمۃ للعالمین فرماتا ہے۔ جن کی رحمت رحمۃ الٰہیہ کے بعد تمام جہان کی رحمت سے زیادہ ہے۔

ندوی مولوی صاحب بولے: دیکھئے فرعون کے پاس جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کو بھیجا تو فرمایا: قُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا اس سے نرم بات کہنا۔

اعلیٰ حضرت نے فرمایا مگر محمد رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

”اے نبی! جہاد کر کافروں اور منافقوں سے اور ان پر شدت کر سختی کر“۔

یہ انہیں حکم دیتا ہے، جن کی نسبت فرماتا ہے:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ”تو بڑے اخلاق پر ہے“۔

تو معلوم ہوا کہ مخالفیانِ دین پر شدت وغلظت منافی اخلاق نہیں بلکہ یہی خلق حسن ہے۔

مولوی ندوی صاحب سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو بولے خیر بھائی! تمہیں اختیار ہے۔ بُرا کہو بُرا سنو۔

2- اعلیٰ حضرت ایک طبیب کے ہاں تشریف لے گئے۔ طبیب صاحب کے استاد ایک نواب صاحب، جو علم عربی سے واقف اور علوم جدیدہ کے گرویدہ تھے۔ ان کو

مسئلہ جاذبیت سمجھا رہے تھے کہ ہر چیز دوسری کو جذب کرتی ہے۔ وزنی چیزیں جو زمین پر گرتی ہیں اپنے میل طبعی سے نہیں بلکہ زمین کی کشش سے نیچے آتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: تو پھر بھاری چیز کو تو اوپر سے نیچے دیر میں آنا چاہیے اور ہلکی کو جلد کہ آسان کھچے گی حالانکہ معاملہ برعکس ہے۔ نواب صاحب بولے مگر جنسیت موجب قوت جذب ہے بھاری چیز میں اجزائے مٹی زیادہ ہیں۔ اس لیے زمین اسے زیادہ قوت سے کھینچتی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: جب ہر شئے جاذب ہے اور اپنی جنس کو نہایت قوت سے کھینچتی ہے تو جمعہ وعیدین میں امام ایک ہوتا ہے اور مقتدی ہزاروں، تو چاہیے کہ مقتدی امام کو کھینچ لیں۔ نواب صاحب بولے: مگر امام میں روح ہے، جو مانع اثر جذب ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: ایک جنازہ پر دس ہزار آدمی ہوتے ہیں اور میت میں روح نہیں، تو لازم ہے کہ مردہ اڑ کر نمازیوں سے لپٹ جائے تو نواب صاحب خاموش ہو گئے۔

3 - اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اپنے پھوپھا (شیخ فضل حسن) کے ہاں رام پور گئے تو وہاں نواب کلب علی خان سے ملاقات ہوئی، نواب صاحب نے آپ کی حیرت انگیز ذہانت کے بارے میں سن رکھا تھا، اس لئے فرمایا: یہاں مولانا عبدالحق خیرآبادی (ابن علامہ فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ) مشہور منطقی ہیں، آپ ان سے قدماء کی کچھ منطق کی کتابیں پڑھ لیجئے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اگر والدِ ماجد کی اجازت ہو گی تو کچھ دن یہاں ٹھہر سکتا ہوں۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اتفاقاً مولانا عبدالحق خیرآبادی بھی تشریف لے آئے۔ نواب صاحب نے اعلیٰ حضرت کا ان سے تعارف کرایا اور فرمایا: باوجود کم سنی ان کی سب کتابیں ختم ہو گئی ہیں اور اپنا مشورہ ذکر فرمایا۔ مولانا عبدالحق کا خیال تھا کہ دنیا میں صرف اڑھائی عالم ہوئے ہیں ایک مولانا بحرالعلوم، دوسرے والد مرحوم اور نصف بندۂ معصوم۔ وہ کب ایک کم عمر شخص کو عالم مان سکتے تھے۔ اعلیٰ حضرت سے دریافت فرمایا کہ آپ نے منطق میں انتہائی کتاب کونسی پڑھی ہے؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: قاضی مبارک۔ یہ سن کر دریافت فرمایا کہ شرح تہذیب پڑھ چکے ہیں؟ یہ طعن

آمیز سوال سن کر اعلیٰ حضرت نے فرمایا: جناب کے یہاں قاضی مبارک کے بعد شرح تہذیب پڑھائی جاتی ہے۔ یک سیر سوال کا سوا سیر جواب پا کر مولانا عبدالحق نے سوال کا رُخ دوسری جانب پھیرا اور پوچھا کہ اب کیا مشغلہ ہے؟ فرمایا: تدریس، افتاء اور تصنیف۔ پوچھا: کس فن میں تصنیف کرتے ہیں؟ فرمایا: مسائلِ دینیہ و ردّ وہابیہ۔ یہ سن کر مولانا عبدالحق نے کہا: ردّ وہابیہ! ایک میرا وہ بدایونی خبطی (پاگل) ہے کہ اسی خبط میں رہتا ہے اور ردّ وہابیہ کیا کرتا ہے۔ (یہ اشارہ تاج الفحول محبّ الرسول حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف تھا اور میرا کہنے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی، علامہ فضل حق خیر آبادی کے شاگردِ رشید تھے) اعلیٰ حضرت نے یہ سنتے ہی فرمایا: جناب کو معلوم ہوگا کہ وہابیہ کا ردّ سب سے پہلے مولانا فضل حق خیر آبادی جناب کے والدِ ماجد ہی نے کیا اور مولوی اسماعیل دہلوی کو بھرے مجمع میں مناظرہ کر کے ساکت کیا اور اس کے ردّ میں ایک مستقل رسالہ بنام ''تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ'' تحریر فرمایا ہے۔ اس پر مولانا عبدالحق خاموش ہو گئے۔

ہر جواب ان کا ہے دیکھو لاجواب
اعلیٰ حضرت آپ ہیں اپنا جواب

چند علمی و ادبی لطیفے

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے جہاں دوسرے علمی کارنامے حدِّ احصاء سے فزوں ہیں ادبی لطیفے بھی اپنی شان میں خاص جدت رکھتے ہیں۔

1- کسی آریہ نے اپنے مذہب کے متعلق کتاب لکھی اور اس کا نام ''آریہ دھرم پرچار'' رکھا۔ جب وہ کتاب چھپی تو مصنف نے ایک نسخہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بغرضِ مطالعہ بھیجا۔ حضرت نے اس کتاب کو ملاحظہ فرما کر جگہ جگہ اس کا ردّ حاشیہ پر لکھا اور اسی طرح ٹائٹل پر جلی قلم سیاہ روشنائی سے ''پرچار'' کے بعد ''حرف'' بڑھا دیا۔ اب کتاب کا نام ''آریہ دھرم پرچار حرف'' ہو گیا۔

2- ''تقویت الایمان'' مولوی اسماعیل دہلوی کی مشہور و معروف کتاب ہے جو کہ شروع

تا آخر شرک و بدعت سے بھری ہوئی ہے۔ ایک دفعہ آپ نے ''ق'' کے دو نقطوں کو اس طرح ملا دیا کہ ایک نقطہ معلوم ہونے لگا اور بجائے ''تقویت الایمان'' ''تفویت الایمان'' اسم بامسمی ہو گیا۔

3- مولوی اشرف علی تھانوی نے حضور ﷺ کی شان میں توہین آمیز کلمات سے بھرپور کتاب لکھی جس کا نام ''حفظ الایمان'' رکھا۔ اعلیٰ حضرت نے ''ف'' کو اس طرح بنا دیا کہ ''ب'' کا شوشہ معلوم ہونے لگا اور ''ح'' کو منقوط کر دیا اب ''خ'' اور ''ب'' کا نقطہ دیکھ کر اس کا صحیح نام ''خبط الایمان'' کر دیا۔

4- مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنے خیالات کا آئینہ ایک رسالہ لکھا اور اس کا نام ''سبیل الرشاد'' رکھا جو مطبع مجتبائی میں طبع ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں جب وہ رسالہ آیا تو اس کو ملاحظہ فرما کر ٹائٹل پر اس کے نام کے اوپر بڑھا دیا قَالَ فِرْعَوْنُ مَا اُرِیْکُمْ اِلَّا مَا اَرٰی وَمَا اَهْدِیْکُمْ اِلَّا۔ تو سب مل کر فرعون کا مقولہ ہو گیا جو سورۂ مومن میں ہے۔ قَالَ فِرْعَوْنُ مَا اُرِیْکُمْ اِلَّا مَا اَرٰی وَمَا اَهْدِیْکُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ یعنی فرعون نے کہا: میں تو تمہیں وہی سوجھاتا ہوں جو میری سوجھ ہے اور تمہیں نہیں دکھاتا مگر سبیل الرشاد (ہدایت کا راستہ)۔

5- پیلی بھیت میں ایک دعوت میں اعلیٰ حضرت اور حضرت مولانا شاہ وصی احمد صاحب محدث سورتی تشریف فرما تھے۔ دسترخوان بچھانے سے پیشتر میزبان نے آفتابہ و طشت لیا کہ ہاتھ دھلائے جائیں۔ حضرت محدث صاحب نے عرفی دستور کے مطابق میزبان کو اشارہ کیا کہ اعلیٰ حضرت کے ہاتھ پہلے دھلائے جائیں۔ اعلیٰ حضرت نے برجستہ فرمایا کہ آپ محدث ہیں اور اعلم بالسنتہ ہیں۔ آپ کا یہ فیصلہ بالکل حق اور آپ کی شان کے لائق ہے کیونکہ سنت یہ ہے کہ اگر ایک مجمع مہمانوں کا ہو تو سب سے پہلے چھوٹے کا ہاتھ دھلایا جائے اور آخر میں بڑے کا ہاتھ دھلایا جائے تا کہ بزرگ کو ہاتھ دھلانے کے بعد دوسروں کے ہاتھ دھونے کا انتظار نہ کرنا پڑے۔ اور کھانا ختم ہو جانے کے بعد سب سے پہلے بڑے کا ہاتھ

دھلایا جائے۔ میں شروع میں ابتداء کرتا ہوں لیکن کھا چکنے کے بعد آپ کو ابتداء کرنا ہوگی۔ اعلیٰ حضرت کے اس ارشاد پر حضرت محدث صاحب نے ہاتھ بڑھا کر طشت کو اپنی طرف کھینچا کہ سب سے پہلے میرے ہاتھ دھلائے جائیں اعلیٰ حضرت مسکرا کر فرمانے لگے۔ اپنے فیصلہ کے خلاف عملدرآمد آپ کی شان کے خلاف ہے۔ الغرض یہ دلچسپ اور علمی گفتگو بڑی خوشگوار اور سامعین کیلئے مفید رہی۔

تقریر وخطابت:

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی بھی عالم کو تحریر وتقریر میں سے کسی ایک فن میں ہی کمال حاصل ہوتا ہے الا ماشاء اللہ، لیکن امام احمد رضا بریلوی دونوں میدانوں کے بے مثال شہسوار تھے، اگرچہ آپ تحریر کو تقریر پر ترجیح دیتے تھے، کیونکہ تقریر ایک وقتی چیز ہے، جبکہ تحریر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو دیر تک رہ سکتی ہے اور دور تک پہنچ سکتی ہے۔

1- ایک دفعہ بدایوں کی جامع مسجد شمسی میں مولانا عبدالقیوم بدایونی (والد ماجد مولانا عبدالحامد بدایوانی) نے اعلان کروایا کہ جمعہ کے بعد مولانا احمد رضا خان کی تقریر ہوگی۔ آپ نے بہت معذرت کی کہ میں وعظ نہیں کیا کرتا۔ نیز یہ فرمایا کہ مجھے پہلے سے اطلاع نہیں دی، مگر وہ نہیں مانے۔ آپ نے مسلسل دو گھنٹے تقریر فرمائی۔ تقریر کے بعد مولانا عبدالقیوم بدایونی، جو خود بھی بلند پایہ عالم اور خطیب تھے، نے فرمایا: ''کوئی عالم، کتب دیکھ کر آنے کے بعد بھی ایسے پراز معلومات، پر اثر بیان سے حاضرین کو محظوظ نہیں کرسکتا، یہ وسعت معلومات جناب ہی کا حصہ ہے''۔

2- 1318ھ کا واقعہ ہے کہ پٹنہ میں ندوہ کے رد میں ایک جلسہ کیا گیا جس میں علمائے اہل سنت بکثرت موجود تھے۔ رات کو جب امام احمد رضا بریلوی کی تقریر شروع ہوئی تو مولانا عبدالقادر بدایونی نے سید اسماعیل حسن میاں مارہروی کو نیند سے بیدار کیا اور فرمایا: ''مولانا احمد رضا خان صاحب کا بیان ہو رہا ہے اور سنا ہے کہ ندویوں کے سرغنہ بھی آئے ہوئے ہیں۔ اس وقت ہمارے پٹھان کے وار

دیکھنے کے قابل ہیں"۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کس قدر پُر جوش تقریر فرماتے تھے اور بڑے بڑے اصحاب فضل وکمال کس شوق سے آپ کی تقریر سنا کرتے تھے۔

؎ ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

چند مخصوص عادات مبارکہ:

کہنا تو بہت آسان ہے لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھنا اور مستحسن عادات و اطوار کا خوگر بننا خدا کے برگزیدہ بندوں ہی سے مخصوص ہے۔ اعلیٰ حضرت کی بعض عادتیں ملاحظہ ہوں۔

بشکل نام اقدس "محمد" ﷺ سویا کرتے اس طرح کہ دونوں ہاتھ ملا کر سر کے نیچے رکھتے اور پاؤں سمیٹ لیتے، جس سے سر "میم"، کہنیاں "ح"، کمر "میم" اور پاؤں دال بن کر گویا نام پاک "محمد" ﷺ بن جاتا۔ ہنسنے میں ٹھٹھا نہ لگاتے، جمائی آنے پر انگلی دانتوں میں دبا لیتے اور کوئی آواز نہ نکالتے۔ قبلہ کی طرف رخ کر کے نہ تھوکتے، نہ پاؤں پھیلاتے۔ پانچوں نمازوں کے وقت مسجد میں حاضر ہوتے اور ہمیشہ باجماعت نماز پڑھتے۔ کیسی ہی گرمی کیوں نہ ہو عمامہ اور انگرکھا پہن کر نماز پڑھاتے۔ قرآن و حدیث وغیرہ کتب پر دوسری کتابیں نہ رکھتے۔ اگر کسی حدیث کی ترجمانی کے دوران کوئی بات کاٹتا تو سخت کبیدہ اور ناراض ہوتے۔ بغیر صوف پڑی دوات سے نہ لکھتے اور اسی طرح لوہے کے قلم سے بھی اجتناب کرتے۔ مجلس میلاد شریف میں ذکر ولادت شریف کے وقت صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے، باقی شروع سے آخر تک ادباً دوزانو بیٹھے رہتے۔ خط بنواتے وقت اپنا کنگھا اور شیشہ استعمال کرتے اور باقاعدگی سے مسواک کرتے۔ کوئی چیز لیتے یا دیتے وقت دایاں ہاتھ بڑھاتے۔ بازار میں آہستہ آہستہ چلتے۔ نگاہوں کو نیچا رکھتے۔ ہفتے میں دو بار یعنی جمعہ اور منگل کو کپڑے تبدیل کرتے، ہاں! اگر جمعرات یا ہفتے کو عید میلاد النبی ﷺ کا دن ہوتا تو کپڑے تبدیل

کرتے۔ بیواؤں، محتاجوں، یتیموں، مسکینوں کی امداد اور حاجت روائی کیلئے آپکی جانب سے ماہوار رقمیں مقرر تھیں۔ کاشانۂ اقدس سے کسی سائل کو خالی نہ بھیجتے۔ آپ کی ذات اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ کی زندہ وتابندہ تصویر تھی۔ اللہ ورسول سے محبت رکھنے والے کو اپنا عزیز سمجھتے اور اللہ ورسول کے دشمن کو اپنا دشمن جانتے۔ اپنے مخالف سے کبھی کج خلقی سے پیش نہ آتے۔ خوش اخلاقی کا یہ عالم تھا کہ جس سے ایک بار کلام فرمایا اس کے دل کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ کبھی دشمن سے بھی سخت کلامی نہ فرمائی۔ ہمیشہ حلم سے کام لیا لیکن دین کے دشمن سے کبھی نرمی نہ برتی۔ جب کسی سُنی عالم سے ملاقات ہوتی تو دیکھ کر باغ باغ ہو جاتے اور اس کی ایسی عزت وقدر کرتے جس کے لائق وہ اپنے آپ کو نہ سمجھتا۔ جب کوئی صاحب حج بیت اللہ شریف کرکے آپ کی خدمت میں آتے تو ان سے پہلے ہی پوچھتے کہ سید عالم ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں بھی حاضری دی ہے؟ اگر وہ ہاں کہتے تو فوراً ان کے ہاتھ چوم لیتے اور اگر نہ کہتے تو پھر ان کی جانب بالکل توجہ نہ دیتے ..... وغیرہ وغیرہ سب آپ کی عادات مقدسہ میں شامل تھا۔ غرضیکہ یہ قطعہ اعلیٰ حضرت کی مکمل زندگی کا آئینہ دار ہے۔

نہ مرا نوش زتحسین، نہ مرا نیش زطعن
نہ مرا ہوش بمدحے نہ مرا گوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نہ گنجد دروے
جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

سادگی کی انتہاء یہ تھی کہ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک صاحب کاٹھیاوار سے حضور کی شہرت سن کر بریلی تشریف لائے، ظہر کا وقت تھا، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں وضو فرما رہے تھے، سادہ وضع تھی، چوڑی مہری کا پاجامہ، ململ کا چھوٹا کرتہ، معمولی ٹوپی پہنے مسجد کی فصیل پر بیٹھے ہوئے مٹی کے لوٹوں سے وضو فرما رہے تھے کہ وہ صاحب مسجد میں تشریف لائے اور سلام عرض کیا۔ اعلیٰ حضرت نے سلام کا جواب دیا۔ بعدہٗ انہوں نے اعلیٰ حضرت سے ہی دریافت کیا کہ میں مولانا احمد رضا خان صاحب کی زیارت کو آیا

ہوں۔ فرمایا: احمد رضا میں ہی ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میں آپ کو نہیں، میں اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب سے ملنے آیا ہوں۔

وہ شخص آپ کو اس لئے پہچان نہ سکا کہ آپ کبھی شہرت کا لباس، قیمتی عبا، قیمتی عمامہ وغیرہ استعمال نہیں فرماتے تھے۔ نہ خاص مشائخانہ انداز اختیار کیا مثلاً چلہ، حلقہ وغیرہ نہ خدام کا مجمع، نہ آگے پیچھے ہٹو بڑھو کا انداز رکھا کہ اس کی وجہ سے لوگ خوامخواہ داخل سلسلہ عالیہ ہوتے، پھر بھی مریدوں کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کر کے ایک لاکھ کے قریب پہنچ چکی تھی۔ اسی طرح باوجودیکہ تبرکات شریفہ و آثارِ منیفہ میں بہت سی نایاب چیزیں حضور کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائیں مگر ہر مہینہ ان کی زیارت کرانے کا بھی دستور نہ تھا کہ اسی کے سبب لوگ خواہ مخواہ رجوع ہوتے۔ آپ ہمیشہ مرابط فی سبیل اللہ رہے۔ غازی صرف جہاد بالسیف والسنان کرتا ہے مگر آپ ہمیشہ ترقی اسلام و دین کے لئے جہاد بالقلم واللسان میں مشغول و مصروف رہے اور دین کے خلاف جس نے کوئی آواز بلند کی یا تحریر لکھی تو فوراً اس کی سرکوبی کے لئے مستعد ہوگئے۔ حمایت دین و نکایت مفسدین اصل میں انبیائے کرام و رسل عظام علیہم السلام کا کام ہے، جس کے لئے وہ مبعوث ہوتے ہیں، متبع رسول عالم دین کا سب سے اہم و اقدم یہی کام ہے لیکن اُس دورِ آزادی بلکہ بے دینی میں سب سے زیادہ معیوب تھا لیکن، جو شخص دینِ اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے کھڑا ہوتا، اعلیٰ حضرت اس کی مخالفت پر ٹوٹ پڑتے تھے۔

تبلیغ دین

اعلیٰ حضرت امامِ اہل سنت قدس سرہ العزیز جس طرح اس امر پر اعتقاد رکھتے تھے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اور حضور اقدس ﷺ تبلیغ و ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے اور علمائے کرام ورثۃ الانبیاء ہیں اسی طرح اس پر بھی یقینِ کامل رکھتے تھے کہ علماء کے ذمے دو فرض ہیں۔ ایک تو شریعتِ مطہرہ پر پورے طور پر عمل کرنا اور دوسرا مسلمانوں کو ان کی دینی باتوں سے واقف بنانا اور ان پر مطلع کرنا۔ اسی لئے جہاں کسی کو خلاف شرع کرتے ہوئے دیکھتے تو فرضِ تبلیغ بجالاتے اور تنبیہ فرما دیتے۔

ایک دفعہ حضور مسجد میں نماز پڑھ کر وظیفے میں مشغول تھے کہ ایک صاحب نماز پڑھنے کے لئے تشریف لائے اور حضور کے قریب ہی نماز پڑھنے لگے۔ جب قیام کیا تو مسجد کی دیوار کو تاکتے رہے' رکوع میں ٹھوڑی اوپر اٹھا کر مسجد کی دیوار کو دیکھتے رہے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے' اس وقت تک اعلیٰ حضرت بھی وظیفہ سے فارغ ہو چکے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے ان کو مسئلہ بتایا کہ نماز پڑھنے میں کس کس حالت میں کہاں کہاں نگاہ ہونی چاہیے اور فرمایا: بحالتِ رکوع پاؤں کی انگلیوں پر نگاہ ہونی چاہیے۔ یہ سن کر وہ بے قابو ہوگئے اور کہنے لگا واہ صاحب! بڑے مولانا بنتے ہیں' میرا منہ قبلہ سے پھیرے دیتے ہیں۔ نماز میں قبلہ کی طرف منہ ہونا ضروری ہے۔ یہ سن کر اعلیٰ حضرت نے ان صاحب کی سمجھ کے مطابق کلام فرمایا اور دریافت کیا: تو سجدہ میں کہاں کیجئے گا؟ پیشانی زمین پر لگانے کے بدلے ٹھوڑی زمین پر لگایئے گا۔ یہ چبھتا ہوا فقرہ سن کر بالکل خاموش ہوگئے اور ان کی سمجھ میں بات آ گئی۔

اکابر کی تعظیم وتوقیر

اعلیٰ حضرت جس طرح اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کے مصداق تھے' اسی طرح رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کی زندہ تصویر بھی تھے۔ علمائے اہل سنت کی ایسی عزت وقدر کرتے کہ باید و شاید۔ خصوصاً مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی قدس سرہ العزیز کی بہت ہی عزت کرتے تھے۔ قصیدہ ''امالی الابرار والام الاشرار'' میں علمائے اہل سنت کی تعریف میں فرمایا ہے:

اذا حلوا تمصرت الایادی
اذا راحوا قصار المصر بید

(یہ علمائے کرام ایسے ہیں کہ جب کسی ویرانے میں اترتے ہیں تو شہر ویران ہو جاتا ہے) مولانا ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں: جس زمانہ میں مَیں حصول برکت کیلئے یہ قصیدہ اعلیٰ حضرت سے پڑھتا تھا جب اس شعر پر پہنچا تو میں نے کہا یہ تو محض مبالغۂ شاعرانہ معلوم ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا نہیں بالکل یہ حقیقت ہے۔

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب کی بھی یہی شان تھی کہ جب تشریف لایا کرتے تو

شہر بریلی کی حالت بدل جایا کرتی تھی۔ عجیب رونق چہل پہل ہو جاتی اور جب تشریف لے جاتے تو باوجودیکہ سب لوگ موجود رہتے مگر ایک ویرانی اور اداسی چھا جاتی۔ اس عزت و توقیر کے باوجود بعض مسئلوں میں کچھ اختلاف بھی تھا اور بعض اختلافی مسائل میں گفتگو ہو کر پھر اتفاق ہو جاتا تھا۔

حضرت مولانا شاہ اسماعیل حسن مارہروی کا بیان ہے کہ ایک بار ان دونوں حضرات میں ''مسئلہ عینیت و غیرت صفات باری تعالیٰ'' پر بحث ہوئی۔ مولانا عبدالقادر صاحب فرماتے ہیں کہ صوفیاء کی صفات کو عین ذات ماننے اور فلاسفہ کے عین ذات ماننے میں فرق نہیں ہے اور مولانا احمد رضا خان صاحب اس فرق کے ماننے میں اپنا تامل ظاہر فرماتے تھے۔ آخر مولانا عبدالقادر صاحب کے کہنے پر یہ ٹھہری کہ سیتاپور چلیے اور وہاں حضور جد امجد شاہ اچھے میاں قدس سرہ کی مولفہ کتاب ''آئین احمدی'' کی جلد عقائد میرے کتب خانہ میں ہے اور دیگر کتب صوفیاء بھی موجود ہیں۔ ان میں فرق کو دیکھ لیجئے۔ دونوں حضرات تشریف لائے اور مولانا عبدالقادر صاحب نے ''آئین احمدی'' کی جلد عقائد اور ''زبدۃ العقائد'' مولفہ حضرت سید احمد صاحب کالپوری دکھائی۔ اسے دیکھ کر مولانا احمد رضا خان صاحب نے فرمایا: میں بغیر دلیل تسلیم کرتا ہوں کہ صوفیاء کے قول عینیت اور فلاسفہ کے قول عینیت میں فرق ہے۔ اس لیے کہ میرے مرشدان عظام فرماتے ہیں کہ ہم جو صفات کو عین ذات مانتے ہیں کہ اس طرح نہیں، جس طرح فلاسفہ مانتے ہیں۔ اگرچہ دلیل سے یہ فرق میرے ذہن میں اب تک نہیں آیا۔ لیکن چونکہ میرے مرشدان عظام یہ فرماتے ہیں اس لیے میں ان کے ارشاد پر سر تسلیم خم کرتا ہوں۔

سبق ہے اعلیٰ حضرت کا یہی تو
بزرگوں کا ادب پیش نظر ہو

اعلیٰ حضرت کے چند القابات و خطابات (باعتبار حروف تہجی)

صوفی باصفا، صاحب زکاء، امام المشائخ والفقہاء، مخدوم الاکابر والعلماء/ اعلیٰ حضرت،

عظیم المرتبت، کثیر البرکت، فیض درجت، مجاز طریقت، امام اہل سنت، پیر طریقت، واقف اسرار شریعت، کنز الکرامت، جبل الاستقامت، مجدد دین وملت، حامی کتاب وسنت، ماحی شرک وبدعت، آفتاب رشد و ہدایت، گنجِ عالم عزلت، گنجینۂ سرائے دولت، پیکر حسن ونگہت، مخزن علم وحکمت، سروگلستان محمدیت، گل چمنستان غوثیت، شمیم بوستان حنفیت، وارث تاجِ مجددیت / فقیہ العصر، علامۃ الدہر، خطیب دلپذیر، شاعر بینظیر، عالم باتدبیر / بقیۃ السلف، حجۃ الخلف / شیخ علی الاطلاق، قطب باتفاق / تاج الفحول، کشتۂ عشق رسول، جامع المعقول والمنقول، محبّ اولاد بتول، فاضل جلیل، عالم نبیل / محدثِ عدیل، فاضل فقید المثیل، شمشیر بے نیام، رہنمائے ہر خاص و عام، بحر ہمام، سید العلماء الاعلام، شیخ الشیوخ العالم، بادشاہ بنی آدم، محقق اعلم، مجددِ اعظم / قدوۃ السالکین، حجۃ الواصلین، زبدۃ العارفین، سلطان الکاملین، امام العاشقین، سند المحدثین، پیشوائے اصحاب دین، مشخائے ارباب یقین، شیخ الاسلام والمسلمین، میزبان مہمانان رحمۃ للعالمین، علم وحکمت کے بحر بے کراں، امام ابوحنفیہ کے تدبر کا نشاں، نکتہ ور ونکتہ داں، محقق دوراں، علامۃ الزماں، فخر الاعیاں، کثیر الاحساں، غوث مسلماناں، چراغ زماں، معتمد عالماں / مجدد مائۃ حاضرہ وسابقہ، مؤید ملت طاہرہ، ناصر سنت زاہرہ، صاحب حجت قاہرہ، امام الائمہ، سراج الامہ، محی الشریعہ، کاسر الفتنہ / مطلع انوارِ رحمانی، منبع اسرار صمدانی، کاشف رموز پنہانی، فانوس نورِ حقانی، نائب غوث جیلانی، جانشین امام ربانی، حق وصداقت کی نشانی۔

سنی اور وہابی کی پہچان کا سریع التاثیر نسخہ:

حضرت مولانا قادر بخش سہرامی جو ایک مشہور زمانہ عالم اور زبردست مقرر تھے۔ ایک مرتبہ رجہت (صوبہ بہار) کے سنی مسلمانوں نے حضرت مولانا سہرامی کو اپنے یہاں تقریر کیلئے بلایا۔ تقریر کے بعد کھانا کھانے کے لیے جب حضرت مولانا بیٹھے تو کسی نے پوچھا کہ حضرت! سنی وہابی کی پہچان کیا ہے؟ ایسی بات بتایئے کہ جس کے ذریعے ہم لوگ بھی سنی اور وہابی کو پہچان سکیں، کوئی بڑی علمی بات نہ ہو۔ مولانا سہرامی نے فرمایا کہ ایسا آسان، عمدہ اور کھرا قاعدہ آپ لوگوں کو بتائے دیتا ہوں کہ اس سے اچھا ملنا

مشکل ہے۔

آپ لوگ جب کسی کے بارے میں معلوم کرنا چاہیں کہ سنی ہے یا وہابی تو اس کے سامنے اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی کا تذکرہ چھیڑ دیجئے اور اس کے چہرے کو بغور دیکھئے اگر چہرہ ہشاش بشاش ہو اور خوشی کے آثار دکھائی دیں تو سمجھ لو کہ سنی ہے اور اگر چہرے پر پژمردگی اور کدورت دیکھو تو سمجھ جاؤ کہ وہابی ہے اور اگر وہابی نہیں جب بھی اس میں کسی قسم کی بے دینی ضرور ہے۔ اس زمانہ میں لایحبہ الا مومن لایبغہ الامنافق میں یہ ضمیریں مولانا احمد رضا خان بریلوی کی طرف پھرتی ہیں۔ اس لیے جتنے اہل سنت ہیں سب اعلیٰ حضرت کے مداح بلکہ عاشق صادق اور محب مخلص ہیں۔

ہے یہ پیغام سرکار احمد رضا   بارگاہِ نبی کے رہو با وفا
اُن کے پیغام سے منحرف جو ہوا   دین حق سے یقیناً پھسل جائے گا
جن کا اسم گرامی ہے احمد رضا   ہیں وہی اصل میں دین کے پیشوا
مان لے گا انہیں مومن با وفا   اور گستاخ کا دل ان سے جل جائیگا

وصال باکمال مع وصایا شریف

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وفات سے چار ماہ بائیس دن پیشتر کوہ بھوالی (ضلع نینی تال) پر 3 رمضان المبارک 1339ھ / 10 مئی 1921ء کو اپنے وصال کی تاریخ اس آیت کریمہ سے نکالی: وَیُطَافُ عَلَیْھِمْ بِاٰنِیَۃٍ مِّنْ فِضَّۃٍ وَّاَکْوَابٍ (1340ھ)۔ آخر کار آپ کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور 25 صفر المظفر 1340ھ / 28 اکتوبر 1921ء کو جمعۃ المبارک کے دن دو بجکر 38 منٹ پر عین اذان جمعۃ المبارک میں اِدھر حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کا نغمہ جانفزا سنا، اُدھر روح پرفتوح نے داعی الی اللہ کو لبیک کہا۔

وصال سے دو گھنٹہ سترہ منٹ پیشتر تجہیز و تکفین وغیرہ سے متعلق ضروری وصایا، جو چودہ اہم باتوں پر مشتمل ہے، قلمبند کرایا۔

وصایا شریف یہ ہے:

1- شروع نزع کے وقت کارڈ، لفافے، روپیہ پیسے کوئی تصویر اس دالان میں نہ رہے

جب یا حائض نہ آنے پائے۔ کتا مکان میں نہ آئے۔

2- سورۂ یٰسین و سورۂ رعد بآواز بلند پڑھی جائیں، کلمہ طیبہ سینہ پر دم آنے تک متواتر بآواز پڑھا جائے، کوئی چلاّ کر بات نہ کرے، کوئی رونے والا بچہ مکان میں نہ آئے۔

3- بعد قبض فوراً نرم ہاتھوں سے آنکھیں بند کردی جائیں بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ کہہ کر، نزع میں نہایت سرد پانی، ممکن ہو تو برف کا پلایا جائے، ہاتھ پاؤں وہی پڑھ کر سیدھے کردیے جائیں، پھر اصلاً کوئی نہ روئے، وقت نزع میرے اور اپنے لیے دعائے خیر مانگتے رہو، کوئی کلمہ برا زبان سے نہ نکلے کہ فرشتے آمین کہتے ہیں، جنازہ اٹھتے وقت خبردار کوئی آواز نہ نکلے۔

4- غسل وغیرہ سب مطابق سنت ہو، حامد رضا خان وہ دعائیں کہ فتویٰ میں لکھی ہیں خوب از بر کرلیں تو وہ نماز پڑھائیں، ورنہ مولوی امجد علی۔

5- جنازہ میں بلاوجہ شرعی تاخیر نہ ہو، جنازہ کے آگے اگر پڑھیں تو ''تم پہ کروڑوں درود'' اور ''ذریعہ قادریہ''

6- خبردار کوئی شعر میری مدح کا نہ پڑھا جائے، یوں ہی قبر پر۔

7- قبر میں بہت آہستگی سے اتاریں، داہنی کروٹ پر وہی دعا پڑھ کر لٹائیں اور پیچھے نرم مٹی کا پشتارہ لگادیں۔

8- جب تک قبر تیار ہو سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر۔ اللھم ثبت عبیدك هذا بالقول الثابت بجاہ نبیك صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم پڑھتے رہیں، اناج قبر پر نہ لے جائیں، یہیں تقسیم کردیں، وہاں بہت غل ہوتا ہے اور قبروں کی بے حرمتی۔

9- بعد تیاری قبر سرہانے الٓمّٓ تا مفلحون پائنتی اٰمن الرسول تا آخر سورت پڑھیں اور سات بار بآواز بلند حامد رضا خان اذان کہیں، پھر سب واپس آئیں، اور ملقن میرے مواجہہ میں کھڑے ہو کر تین بار تلقین کریں، پیچھے پیچھے ہٹ ہٹ کر،

پھر اعزہ واحباء چلے جائیں، اور ڈیڑھ گھنٹہ میرے مواجہہ میں درود شریف ایسی آواز میں پڑھتے رہیں کہ میں سنوں پھر مجھے ارحم الراحمین کے سپرد کر کے چلے آئیں اور اگر تکلیف گوارا ہو سکے تو تین شبانہ روز کامل پہرے کے ساتھ دو عزیز یا دوست مواجہہ میں قرآن مجید و درود شریف ایسی آواز سے بلاوقفہ پڑھتے رہیں کہ اللہ چاہے تو اس نئے مکان سے دل لگے جائے (جس وقت وصال فرمایا اس وقت سے غسل شریف تک قرآن عظیم بآواز پڑھا گیا پھر تین شبانہ روز مواجہہ شریف میں مسلسل تلاوت قرآن عظیم جاری رہی)۔

10- کفن پر کوئی دوشالہ یا قیمتی چیز یا شامیانہ نہ ہو۔ کوئی بات خلاف سنت نہ ہو۔

11- فاتحہ کے کھانے سے اغنیاء کو کچھ نہ دیا جائے۔ صرف فقراء کو دیں اور وہ بھی اعزاز اور خاطر داری کے ساتھ، نہ کہ جھڑک کر غرض کوئی بات خلاف سنت نہ ہو۔

12- اعزہ سے اگر بطیب خاطر ممکن ہو تو فاتحہ میں ہفتہ میں دو تین بار ان اشیاء سے بھی کچھ بھیج دیا کریں: دودھ کا برف خانہ ساز اگرچہ بھینس کے دودھ کا ہو، مرغ کی بریانی، مرغ پلاؤ خواہ بکری کا شامی کباب، پراٹھے اور بالائی فیرنی، اردکی پھریری دال مع ادرک ولوازم، گوشت بھری کچوریاں، سیب کا پانی، انار کا پانی، سوڈے کی بوتل، دودھ کا برف، اگر روزانہ ایک چیز ہو سکے یوں کر دیا جائے جیسے مناسب جانو، مگر بطیب خاطر، میرے لکھنے پر مجبوراً نہ ہو۔

13- ننھے میاں سلمہ کی نسبت جو خیالات حامد رضا خان کے ہیں میں نے تحقیق کیا سب غلط ہیں اور وہ احکام بے اصل۔ یہ شرعی مسئلہ سے کہتا ہوں، نہ رورعایت سے، ان کی غلط فہمی ہے ان پر ان کی اطاعت ومحبت واجب ہے اور ان پر ان سے محبت و شفقت لازم، جو اس کے خلاف کرے گا اس سے میری روح ناراض ہو گی۔

14- رضا حسین، حسنین اور تم سب محبت و اتفاق سے رہو اور حتی الامکان اتباع شریعت نہ چھوڑو اور میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ اللہ توفیق دے۔ والسلام۔

25 صفر 1340ھ روز جمعہ مبارکہ 12 بج کر 21 منٹ پر یہ وقتی وصایا قلمبند ہوئے۔

والله شهيدٌ وله الحمد وصلى الله تعالىٰ وبارك وسلم علىٰ شفيع المذنبين واله الطيبين وصحبه المكرمين وابنه وحزبه الى ابد الأبدين امين والحمد لله ربّ العٰلمين۔

حضرت مولانا حسنین رضا خان صاحب جو بنفس نفیس وصال کے وقت اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر تھے' وہ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

''(اعلیٰ حضرت نے) وصیت نامہ تحریر کرایا پھر اس پر خود عمل کرایا۔ وصال شریف کے تمام کام گھڑی دیکھ کر ٹھیک وقت پر ارشاد ہوتے رہے۔ جب دو بجنے میں چار منٹ باقی تھے (تو آپ نے) وقت پوچھا عرض کیا گیا (کہ 1:56 ہو رہے ہیں)۔ فرمایا: گھڑی سامنے رکھ دو یکایک ارشاد فرمایا کہ تصاویر ہٹا دو۔ (حاضرین کے دل میں خیال گزرا کہ) یہاں تصاویر کا کیا کام۔ یہ خطرہ گزرنا تھا کہ خود ہی ارشاد فرمایا: یہی کارڈ' لفافہ روپیہ پیسہ وغیرہ سب پر تصاویر ہیں انہیں ہٹا دو۔

تعمیل ارشاد کی گئی' پھر ذرا وقفہ سے مولانا حامد رضا خان صاحب سے فرمایا کہ وضو کر کے قرآن کریم لاؤ۔ ابھی وہ تشریف نہ لائے تھے کہ مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب سے فرمایا کہ سورۂ یٰسین اور سورۂ رعد شریف کی تلاوت کرو۔ اب (آپ کی) عمر شریف میں چند منٹ باقی رہ گئے ہیں۔ حسب الحکم دونوں سورتیں تلاوت کی گئیں۔ ایسے حضور قلب اور تیقظ سے سنیں کہ جس آیت میں اشتباہ ہوا یا سننے میں پوری نہ آئی یا سبقت زبان سے زیر و زبر میں فرق ہوا' خود تلاوت فرما کر بتا دی۔ سفر کی دعائیں جن کا چلتے وقت پڑھنا مسنون ہے۔ تمام وکمال بلکہ معمول شریف سے زائد پڑھیں۔ پھر کلمہ طیبہ پڑھا۔ جب بولنے کی طاقت نہ رہی تو ہونٹ حرکت کر رہے تھے۔ کان لگا کر سنا تو ''الله الله'' فرما رہے تھے۔ یہاں تک کہ ہر سانس میں ''الله الله'' نکلتا۔ اسی طرح اپنے محبوب حقیقی کا ذکر کرتے ہوئے اس دار فانی سے دار باقی کو تشریف لے گئے۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون و رضی اللّٰہ عنہ و صلی اللّٰہ تعالیٰ
علیہ وعلی الہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم

دوسرے روز ہفتہ کے دن غسل شریف دیا گیا، جس میں علمائے عظام، سادات کرام اور حفاظ عالی مقام شریک تھے۔ ہر بات مطابق سنت و موافق ارشاد حضور ہوئی۔ سید اظہر علی صاحب نے قبر مبارک کھودی۔ حسب وصیت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی نے غسل دیا اور حافظ امیر حسن مراد آبادی نے مدد دی۔ سید سلیمان اشرف بہاری، مولانا محمد رضا خاں، مولانا حسنین رضا خاں، سید محمود جان، سید ممتاز علی و دیگر حضرات پانی دینے میں مصروف تھے۔ مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان علاوہ دیگر خدمات غسل کے وصیت نامہ کی دعائیں بھی یاد کراتے رہے۔ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان نے پیشانی اقدس پر کافور لگایا۔ صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے کفن شریف پہنایا۔ اطراف و جوانب حتیٰ کہ پیلی بھیت، مراد آباد، رام پور تک بہت مخلصین کو تار دیئے گئے۔ جس جس مسلمان کو خبر ہوئی غم کا کوہ گراں اس کے دل پر ٹوٹ پڑا اور کیوں نہ ہو کہ آج وہ خورشید جہاں تاب مصطفائی افق قرب میں غائب ہوا، جس کی پیاری روشنی سے اہل سنت کے دل منور، آنکھیں روشن، جگر ٹھنڈے اور جانیں سیراب تھیں۔ جس کے روئے منور میں ایمان کو جمال بغداد کے جلوے ملتے تھے۔ جس کے چہرۂ انور میں حسن مصطفیٰ ﷺ کی جھلک نظر آتی تھی۔ (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا)

جنازے کا روح پرور منظر

اللّٰہ اکبر! یا رسول اللّٰہ! یا غوث الوریٰ! کے نعروں سے گلی کوچے گونج رہے تھے یہ کرامت جلیلہ آنکھوں سے دیکھی گئی کہ کل جو لوگ اس رہنمائے دین کی مخالفت پر کمر بستہ تھے، آج اس نائب مصطفیٰ ﷺ کے حضور نیاز خم کیے ہوئے ہیں۔ وہابی، رافضی، نیچری بکثرت شریک تھے۔ کندھا دینے کی بھرپور ناکام کوششیں ہوئیں۔ جب میسر نہ ہوا تو اپنی ٹوپی ہی جنازہ شریف سے مس کر کے چومتے اور سر پر رکھتے (الفضل

مَاشَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ) حق وہ ہے جو باطل پرستوں سے اپنا کلمہ پڑھوا چھوڑے)

علی گڑھ شاہجہانپور اور میواڑ وغیرہ مقامات کے حضرات اہلسنت آ گئے تھے۔ ایک عالم تھا عشاق کا تخمینہ گیارہ ہزار آدمیوں کا کیا جاتا ہے۔ جنازہ ہر وقت کم از کم بیس کاندھوں پر رہا اور جنازہ مبارکہ کے آگے یہ سلام موافق وصیت پڑھا جاتا رہا۔

کعبہ کے بدر الدجیٰ تم پہ کروڑوں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں درود

پورے شہر میں کسی جگہ نماز کی گنجائش نہ تھی۔ اس لیے عیدگاہ کے وسیع میدان میں نمازِ جنازہ پڑھنے کا اعلان ہوا۔ چنانچہ اسی شان و شوکت کے ساتھ جنازہ عیدگاہ پہنچا۔ وہاں پہنچ کر ایک تعجب خیز واقعہ دیکھا وہ یہ کہ عیدگاہ میں چھے سات جنازے پہلے سے ہی رکھے ہیں، صرف اعلیٰ حضرت کے جنازے کا انتظار ہو رہا ہے، لوگوں سے کہا گیا کہ تم نے حسبِ دستور اپنے اپنے محلے میں نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کیوں نہ کیا، یہ کیا کیا؟ انہوں نے کہا یہ سب اعلیٰ حضرت کے فدائی و شیدائی تھے، ان کے جنازوں کی نماز اعلیٰ حضرت کی نمازِ جنازہ کے ساتھ ہوگی، وہ بھی عجب سماں تھا کہ اکٹھے چھے یا سات جنازوں کی نماز ایک مجددِ وقت کے جنازے کے ساتھ ادا کی جارہی ہے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خان صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور پھر اسی شان و شوکت کے ساتھ جنازہ واپس ہوا۔

مزارِ پُر انوار

شہر بریلی شریف محلہ سوداگران میں دارالعلوم منظر اسلام کے شمالی جانب ایک پیکر جلال و ہیبت، بلند عمارت کے اندر آپ کا مزار مبارک ہے جو کہ مولانا حامد رضا خان کا مکان مبارک ہے۔

تیرے مرقد پر رہیں انوار حق جلوہ فشاں
تو نے جو پرنور عالم کر دیا پائندہ یاد

آپ کا عرس مبارک جو شریعت کا آئینہ دار ہے ہر سال 24-25 صفر المظفر کو منعقد ہوتا ہے' جس میں اکناف ہند کے مشاہیر علماء' خطباء' مشائخ شریک ہو کر اپنے دامان کو گوہر مراد سے بھرتے ہیں۔

؎ وہ نہیں گر ان کی تصانیف تو موجود ہیں
چاندنی پھیلی ہوئی ہے اور قمر پردے میں ہے

مقام رضا فی حضرت المصطفیٰ:

مولانا عبدالعزیز محدث مراد آبادی (استاذ دارالعلوم اشرفیہ' اعظم گڑھ) درگاہ اجمیر شریف کے سجادہ نشین دیوان آل رسول کے عم محترم جو ایک بلند پایہ بزرگ تھے کی زبانی ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں' جس سے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ رسالت مآب میں مقبولیت کا حال معلوم ہوتا ہے' فرماتے ہیں:

12 ربیع الثانی 1340ھ میں ایک شامی بزرگ دہلی تشریف لائے ان کی آمد کا سُن کر ملاقات کی' بڑی شان و شوکت کے بزرگ تھے' طبیعت میں استغناء بہت زیادہ تھا' مسلمان جس طرح عربوں کی خدمت کرتے تھے ان کی خدمت میں بھی نذرانہ پیش کیا لیکن انہوں نے قبول نہ کیا اور فرمانے لگے: بفضلہٖ تعالیٰ میں فارغ البال ہوں مجھے ضرورت نہیں ان کے اس استغناء اور سفرِ طویل سے سخت تعجب ہوا۔ عرض کیا حضرت! یہاں تشریف لانے کا سبب کیا ہے؟ فرمایا: مقصد تو بڑا زریں تھا لیکن حاصل نہ ہوا۔ افسوس! صد ہزار افسوس!

واقعہ یہ ہے کہ 25 صفر المظفر 1340ھ کو میرے نصیب جاگے۔ خواب نبی کریم رء وف رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم کی زیارت نصیب ہوئی۔ دیکھا کہ حضور ﷺ تشریف فرما ہیں' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حاضر دربار ہیں لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے۔ لگتا تھا کسی کا انتظار ہے۔ میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا: فداك ابی و اُمی کس کا انتظار ہے؟ ارشاد فرمایا: احمد رضا کا انتظار ہے۔ میں نے عرض کیا: احمد رضا کون ہے؟ فرمایا: ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔ بیداری کے بعد میں نے تحقیق کی تو معلوم ہو کہ مولانا احمد رضا

خان صاحب بڑے ہی جلیل القدر عالم ہیں۔ اور بقیدِ حیات بھی ہیں۔ ملاقات کے شوق میں بریلی (ہندوستان) پہنچا تو معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے اور وہی 25 صفر کی تاریخ ان کے وصال کی تھی۔ ان سے ملاقات کے شوق میں اتنا طویل کیا لیکن افسوس کہ ملاقات نہ ہو سکی۔

◆

ہدیۂ عقیدت در بارگاہ رضویت

آبروئے مومناں احمد رضا خاں قادری
رہنمائے گمرہاں احمد رضا خاں قادری
علم میں بحر رواں احمد رضا خاں قادری
دین میں گوہر فشاں احمد رضا خاں قادری
علم میں ہیں گلستاں احمد رضا خاں قادری
باغ دیں کے گل فشاں احمد رضا خاں قادری
حق شناس وحق نما ونائب شمس الضحیٰ
وارث پیغمبراں احمد رضا خاں قادری
باغ دیں میں نغمہ خوان خوش بیاں شیریں زباں
طوطی شکر فشاں احمد رضا خاں قادری
چشم ایماں سے اگر دیکھو تو ہیں ایمان کی جاں
جان جاں روح رواں احمد رضا خاں قادری
تیرا علم و فضل و شان و شوکت وجاہ وحشم
شش جہت پر ہے عیاں احمد رضا خاں قادری
ہے عرب کے عالموں کا مدح خواں سارا جہاں
اور وہ تیرے مدح خواں احمد رضا جاں قادری
تم سے گلزار شریعت میں کھلے خوشترنگ پھول
باغ دیں میں گل فشاں احمد رضا خاں قادری

روز افزوں حشر تک یارب ترقی پر رہے
لہلہاتا بوستاں احمد رضا خاں قادری
صدقۂ شاہِ عرب یوناً فیوناً ہو بلند
تیری عزت کا نشاں احمد رضا خاں قادری
دین کا دشمن ہو یا ہو دوست سب کے واسطے
ہے تیری حق گو زباں احمد رضا خاں قادری
تیرے صدقے میں خدا چاہے تو پائیں گے غلام
کل وہاں باغ جناں احمد رضا خاں قادری
حق تعالیٰ نے کیے بے حد کمالات وعلوم
تیرے سینے میں نہاں احمد رضا خاں قادری
سیف اعدا کیلئے مومن کے حق میں سپر
آپ کی حق گو زباں احمد رضا خاں قادری
اہل سنت کے سروں پر دائما رکھے خدا
تجھ کو با امن و اماں احمد رضا خاں قادری
عالمان مکہ و طیبہ نے لی تجھ سے سند
ہیں وہ تیرے قدر داں احمد رضا خاں قادری
کیا ستا سکتے ہیں تجھ کو اعدا مرشدا
حق ہے تجھ پر مہرباں احمد رضا خاں قادری
پڑ گیا ہے پشت پر اعدا کی اب کیا جائے گا
تیرے کوڑے کا نشاں احمد رضا خاں قادری
دیکھ کر جلوہ اشداء علی الکفار کا
ہر عدو ہے بے زباں احمد رضا خاں قادری

چیر کر بدمذہبوں کے دل میں گزری وار پار
تیرے نیزے کی سناں احمد رضا خاں قادری

آ چلی تھی شیخ نجدی کے بیاباں میں بہار
بھیج دی تو نے خزاں احمد رضا خاں قادری

فتح دی حق نے تجھے اعدائے دیں پر دائما
تجھ پہ ہے حق مہرباں احمد رضا خاں قادری

حق اسے کہتے ہیں دیکھو رد نہ کوئی کرسکا
تیرا فتوائے اذاں احمد رضا خاں قادری

کیا ستاتے تھے تجھ کو اعداء تھی یہ حکمت خلق کا
ہو رہا تھا امتحاں احمد رضا خاں قادری

دعوائے اعدا حقیقت میں کسوٹی تھا کہ ہوں
دوست اور دشمن عیاں احمد رضا خاں قادری

تھے وصی احمد محدث رحمۃ اللہ علیہ
آپ کے اک رتبہ داں احمد رضا خاں قادری

خداوندانِ پاک برکاتیہ کا چشم وچراغ
کہتے تھے نوری میاں احمد رضا خاں قادری

شاہ پیلی بھیت کے حضرت محمد شیر خاں
تھے تمہارے مدح خواں احمد رضا خاں قادری

رامپوری صابری چشتی میاں ناصر ولی
جانتے تھے تیری شاں احمد رضا خاں قادری

حاضر و غائب ترے حق میں دعاؤں کے لیے
عمر بھر کھولی زباں احمد رضا خاں قادری

آپ کا حامد ہے حامد سیّد کونین کا
ہے وہ تیری عزوشاں احمد رضا خاں قادری

یاد رکھیں گے قیامت تک غلامان رسول
تیرے جلسوں کا سماں احمد رضا خاں قادری

اے مرے اچھے کے اچھے مجھ کو بھی اچھا بنا
صدقۂ اچھے میاں احمد رضا خاں قادری

صدقہ سرکار جیلانی پھلیں پھولیں مدام
مصطفیٰ حامد میاں احمد رضا خاں قادری

دے مبارک بادان کو قادری رضوی جمیلؔ
جن کے مرشد ہیں میاں احمد رضا خاں قادری

(صوفی شاہ محمد جمیل الرحمٰن خان جمیلؔ قادری رضوی)

نضرِ فردوس

اے امام اہلسنّت تاجدار علم و فن
خوب کی تجدید ملت تم نے اے سروِ چمن
نائب شاہِ دنیٰ ہو جانشین اولیاء
رونق بزم طریقت واقف سرّ دعلَن
یاد گار بو حنیفہ، غوث اعظم کے شبیہ
نازش مردان حق ہو زینت باغ و چمن
تیرے علم وفن کا ہے وہ دبدبہ، جاہ و شکوہ
جھک گئے سب تیرے آگے فیلسوفان زمن
تم نے ہی البرٹ جیسے نامور کو دی شکست
جس کا شاہد ہے ابھی وہ نیرِ چرخ کہن
رسم بسم اللہ میں تھا کس قدر اونچا سوال
محو حیرت انجمن تھی واہ نوری ذہن
حلقہ بیعت میں آتے ہی ہوئے شیخ اجل
یعنی اول ہی سے تم ہو پاک طینت پاک تن
مست دل مجذوب حق بھی رہتے تم سے باادب
اہل باطن کی نگاہوں میں ہو ایسے باوزن
نقشبندی، قادری، چشتی، سہروردی کے تم
ہو امیر کارواں مقبول ربّ ذوالمنن

دین حق کی خدمت و احیائے سنّت کے سبب
اعلیٰ حضرت آپ کو کہتے ہیں سب اہل سنن

کیوں نہ ہو چرچا تمہارا باعث کیف و سرور
محسن ایمان و دیں ہو صاحب خلق حسن

عظمت شان نبی کا تم نے وہ خطبہ دیا
جان و تن میں نور آیا بڑھ گئی دل کی لگن

بدنہادوں، بدعقیدوں سے ہمیں نفرت ہوئی
اے جَزَاكَ اللهُ عَنَّا آپ کے یہ منن

دین کش ان ڈائنوں کو تم نے بے پردہ کیا
سر زمین نجد سے جو بن کے آئی تھیں دلہن

شاطرانِ دین تم سے کانپتے تھے بالیقین
نام حق سنتے ہی ان کے ہوش ہو جاتے ہرن

تم سے تھراتا رہا باطل پرستوں کا غرور
جس کا شاہد ہے زمانہ اور خود تھا نہ بھون

تھا تیرا سیف قلم اعداء کے حق میں خوں فشاں
رزم گاہ حق و باطل میں رہا توصف شکن

کردیا باطل کو تم نے سرنگوں پیوند خاک
دشمنِ دیں کو کہاں ہے اب مجال دم زدن

تھا، رہا کا لفظ ہے سب ماضی کی اک خبر
بالیقین اب بھی وہی ہو شیر حق باطل شکن

چشم ظاہر سے تمہاری دید ہو سکتی نہیں
ورنہ پائے ناز پہ رکھتے سبھی اپنا دہن

فرش سے ماتم اٹھا جب تم چلے سوئے جناں
عرش پہ دھومیں مچیں لو آگیا فخر زمن
آپ کی رحلت کو اک عرصہ ہوا لیکن حضور
ہو وہی خورشید تاباں جس کی پھیلی ہے کرن

گلشن اسلام کے گلہائے خوباں میں شہا
سرخ گل ہو یا کہ نرگس، نسترن ہو یاسمن
دیکھے ہیں چشم فلک نے کیسے کیسے مہ جبیں
ان حسینوں میں ہو تم بھی روح پہ درضو فگن

عشق محبوب خدا کی تم کو وہ خوشبو ملی
جسکے بوئے مست سے ہے منفعل مشک ختن
مصطفٰے پیارے کے در سے تم کو وہ شوکت ملی
جس پہ ہوتا ہے نچھاور تاج شاہی کا پھبن

بارگاہ نور سے تم کو وہ تابانی ملی
جس کے آگے ہے خجل درّ عدن لعلِ یمن
ملت بیضاء پہ آیا ہے بلاؤں کا ہجوم
ہر طرف ایک شور و شر ہے آگیا دور فتن

پاسبان دین و ملت بے حسی کے ہیں شکار
بحر غم میں ہے سفینہ اور دریا موج زن
امت خیر الوریٰ ہے بے قرار و اشک بار
اب ذرا پردہ اٹھاؤ کھول دو بند کفن

پھر وہی تیرا قدم ہو تیری محفل کی بہار
رنگ لائے گلستاں کافور ہو رنج و محن

بارگاہ ناز میں حسن عقیدت سے حضور
پیش کرتے ہیں سلامی ہم سبھی اہل سنن

اے سراپا خیر و برکت رہبر حق زندہ باد
پیکر رشد و ہدایت خوبرو شیریں دہن

نغمہ سنجی زمزمہ خوانی مرا مقصد نہیں
ہے مجھے محبوب یوں ہی آپ کا ذکر حسن

آپ کے اوصاف تک کس کی رسائی ہو بھلا
ہو نبی کے معجزہ بس ختم ہے اس پہ سخن

عرض کرتا ہے نعیم قادری باصد ادب!
ہم پہ برساؤ شہا! اب خاص نعمت کی بھرن

(مولانا حکیم ابو البرکات محمد نعیم الدین صدیقی قادری رضوی نوری گورکھپوری، نائب شیخ الحدیث دار العلوم فیض الرسول، براؤں شریف ضلع بستی، انڈیا)

منقبت

مجدد دین و ملت، اعلیٰ حضرت ہیں بریلی کے
حکیم اہلسنّت، اعلیٰ حضرت ہیں بریلی کے
محمد مصطفیٰ محبوب حق کے علم کے وارث
محدث ابا کرامت، اعلیٰ حضرت ہیں بریلی کے
کسی تنصیف کو دیکھو کسی تحریر کو پڑھ لو
بلاغت ہی بلاغت، اعلیٰ حضرت ہیں بریلی کے
نبی کے ذکر میں رہنا نبی کی یاد میں رونا
محبت ہی محبت ، اعلیٰ حضرت ہیں بریلی کے
شریعت کے طریقت کے مسائل خوب سمجھائے
شہنشاہ طریقت، اعلیٰ حضرت ہیں بریلی کے
امام اعظم کے نائب بن کے دکھلایا زمانے کو
کہ چشمۂ فقاہت، اعلیٰ حضرت ہیں بریلی کے
ہے ان کی شاعری قرآن و سنت کا صحیح نقشہ
صداقت ہی صداقت، اعلیٰ حضرت ہیں بریلی کے
کوئی گستاخ احمد جب بھی ان کے، سامنے آئے
تو اک بحرِ شجاعت، اعلیٰ حضرت ہیں بریلی کے
کہاں سے وہ زباں لاؤں کرے جو آپ کی مدحت
کہ یوسف اعلیٰ حضرت ، اعلیٰ حضرت ہیں بریلی کے

(محمد یوسف علی نگینہ)

اعلیٰ حضرت اپنوں اور غیروں کی نظر میں

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسی عظیم عبقری شخصیت کا جو مرتبہ و مقام اہل سنت و جماعت' علماء و مشائخِ پاک و ہند و حرمین شریفین کی نظر میں ہے' وہ تو ہے ہی مگر علمائے دیوبند و اہلحدیث بھی آپ کے علمی رعب و روحانی دبدبے سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے' اکابرِ دیوبند و اہلِ حدیث نے اپنی اپنی کتب و رسائل میں اعلیٰ حضرت کی تعریف و توصیف میں بے شمار کلمات کہے ہیں کیونکہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی اس لئے کہ اعلیٰ حضرت سچے تھے اور انہوں نے کفر کے خلاف آواز بلند کی اور سچا وہی ہوتا ہے جو باطل کے منہ سے بے اختیار اپنا کلمہ پڑھوا ڈالے (اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ) یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ آج کل کے ہٹ دھرم و بے شرم وہابی و دیوبندی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف کتب لکھ کر طوفانِ بدتمیزی برپا کرے اور ایسے بے بنیاد الزامات لگائے اور بہتان طرازی کرے' جن کا حقیقت کے ساتھ کچھ تعلق نہیں۔ ان لوگوں کو کم از کم اپنے اکابر کے اُن اقوال کو ہی پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ چنانچہ ہم پہلے ''اعلیٰ حضرت کی مرتبت و منزلت سنی علمائے ہندوستان و حرمین و بلادِ اسلامیہ کی نظر میں'' وبعدہ ''مخالفین کی نظر میں'' پیش کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت سنی علماء و مشائخ کی نظر میں

1- حضرت سیّد شاہ آلِ رسول احمدی مارہروی نے فرمایا:

''قیامت کے دن ربّ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ آلِ رسول! تو دنیا سے کیا لایا تو میں ''احمد رضا'' کو پیش کردوں گا''۔

- حضرت سیّد ابوالحسین احمد نوری مارہروی نے فرمایا:

”اس دور میں سنّیت کی کسوٹی مولانا احمد رضا خان صاحب ہیں“۔

3- حضرت سیّد اولادِ رسول مارہروی نے فرمایا:

”اعلیٰ حضرت کو میں ابن عابدین شامی پر فوقیت دیتا ہوں کیونکہ جو جامعیت اعلیٰ حضرت کے ہاں ہے، وہ ابن عابدین شامی کے ہاں نہیں“۔

4- حضرت سیّد شاہ اسماعیل حسن مارہروی فرماتے ہیں:

”مولانا احمد رضا خان صاحب کو اللہ تعالیٰ نے جامع کمالات ظاہری و باطنی، صوری و معنوی بنایا تھا۔ اوصاف کمالات میں جس کو لے کر دیکھئے، مولانا کی ذات میں بروجہ کمالات اس کا ظہور تھا“۔

5- حضرت سیّد شاہ آلِ مصطفیٰ میاں مارہروی فرماتے ہیں:

”علمائے متقدمین میں فقہاء و محدثین کا علم و اجتہاد سر آنکھوں پر، ہمیں تو اپنے اعلیٰ حضرت ہی کافی ہیں“۔

6- حضرت سیّد شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں فرماتے ہیں:

”بریلی شریف ہمارا سب سے بڑا اور مستحکم قلعہ ہے اور ہمارے اعلیٰ حضرت پوری دنیائے سنّیت کے سردار اور جرنیل اعظم ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی محبت تو ہمیں گھٹی میں پلائی گئی ہے“۔

7- حضرت سیّد آلِ رسول حسین میاں مارہروی فرماتے ہیں:

”سلام اس پر کہ جسے اللہ عزوجل نے محض اسلام کی حمایت اور دین کی تجدید کے لئے پیدا فرمایا، جس نے مسلمانوں کو ہدایت کی راہ پر لگایا۔ تشنگانِ بادہ علم کے لیے رشد و ہدایت کے دریا بہا دیئے، جس نے عمر بھر دین کے رہزنوں اور ایمان کے ڈاکوؤں سے مقابلہ فرمایا۔ حضور پُرنور اعلیٰ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے مدارج عالیہ کی تصدیق و توثیق اللہ والوں نے فرمائی“۔

8- حضرت سیّد شاہ محمد امین میاں مارہروی فرماتے ہیں:

”خاندان برکاتیہ کا بچہ بچہ اعلیٰ حضرت کا شیدائی ہے۔ ہماری نجی مجالس ہوں یا عوامی جلسے، ہر جگہ مسلک اعلیٰ حضرت کی تبلیغ و اشاعت ہی ہم لوگوں کا نصب العین اور مطمح نظر ہوا کرتا ہے۔ اعلیٰ حضرت حقیقتاً ”چشم و چراغ خاندان برکاتیہ“ تھے جو نسبت خاندان برکاتیہ کو ان سے اور ان کو خانوادۂ برکاتیہ سے ہے، وہ کسی دوسرے خانوادہ کو نہیں“۔

9- حضرت سیّد شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی فرماتے ہیں:

”میرا مسلک و طریقت وہی ہے جو حضور پُرنور اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ لہٰذا میرے مسلک پر مضبوطی سے قائم رہنے کے لئے سیّدنا اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف ضرور زیر مطالعہ رکھو“۔

10- حضرت سیّد شاہ محمد میاں جیلانی اشرفی کچھوچھوی فرماتے ہیں:

”یہ تو اعلیٰ حضرت کا دنیائے اسلام و سنیت پر احسانِ عظیم ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کوثر و تسنیم کی شان میں بکواس کرنے والوں کی لمبی لمبی زبانوں کو کاٹ کر رکھ دیا اور کفر بکتے رہنے کی جرأت کو کمزور کر دیا اور اس طرح مجرموں کو برہنہ کر کے مسلمانوں کو ان کے کفری انداز کا شکار ہونے سے بچا لیا۔ یعنی اعلیٰ حضرت نے کسی کو کافر نہیں بنایا بلکہ کافر بننے والوں کے جرائم کفریہ کو واضح فرما کر مسلمانوں کو کافر بننے سے بچا لیا“۔

11- حضرت سیّد شاہ محمد مدنی میاں کچھوچھوی فرماتے ہیں:

”گزشتہ دو صدی ۱۲۰۰ھ و ۱۳۰۰ھ کے اندر اس جیسی متبحر جامع عالم ہستی نظر نہیں آئی۔ چنانچہ تفسیر، حدیث، عقائد و کلام، فقہ، سلوک، تصوف، اذکار، تاریخ، جفر، نعت، ادب، ریاضی، توقیت، نجوم، منطق، فلسفہ وغیرہ علوم میں آپ کی بے مثل تصانیف و حواشی آپ کے کمال تبحر جامعیت پر شاہد ہیں“۔

ایک اور مقام پر رقمطراز ہیں:

”ہمارے امام احمد رضا فاضل بریلوی کی عظمت و شان اور بارگاہ خدا و رسول میں

ان کی مقبولیت کو سمجھنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ان کی ذاتِ گرامی تو بڑی چیز، ان کے شہر کی طرف اپنی ذات کو منسوب کرنا اہل ایمان اور اس کے عاشق رسول ہونے کی دلیل بن گئی ہے۔ اب میں الحمد للہ مسلکاً حنفی، نسباً جیلانی، مشرباً اشرفی اور وطناً کچھوچھوی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ’’بریلوی‘‘ کہتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں‘‘۔

12- حضرت خواجہ سیّد ضامن نظامی فرماتے ہیں:

’’مولانا احمد رضا خان صاحب ہندوستان کی برگزیدہ شخصیت تھے۔ ان کی ذات مجمع الصفات تھی۔ مختلف علوم کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک شاعر بے بدل، بلند پایہ ادیب، مفسر قرآن اور محدث اعظم تھے۔ وہ جنگِ آزادی کے مجاہد بھی تھے اور شیخ طریقت بھی تھے۔ انہوں نے بے شمار خلق اللہ کو نیکی کے راستے پر گامزن کیا اور ان کی عالمانہ شخصیت اور بے مثال خدمات کا اعتراف ہندوستان کی اعلیٰ شخصیتوں نے کیا ہے‘‘۔

13- حضرت سیّد شاہ انوار اللہ حسینی افتخاری فرماتے ہیں:

’’مجدد دین وملت امام احمد رضا کی جامع الصفات شخصیت سطحی نظر سے مطالعہ کی حامل نہیں۔ مجدد دین وملت کا احاطہ کر کے قلم اٹھانے کی جرأت وہی شخص کر سکے گا جو قد آور نگاہ کا مالک ہو کر ان پچاس سے زیادہ علوم وفنون کا ماہر ہو، جن علوم وفنون پر مجدد دین وملت نے اپنی پوری زندگی کی ذہنی ریاضت صرف کی ہے۔ مجدد دین وملت کے تعلق سے حضرت والد صاحب قبلہ خطیب الملت مولانا الحاج سیّد شاہ نور اللہ حسینی افتخاری چشتی القادری قدس سرہٗ حضرت مخدو الملت محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زبان فیض ترجمان سے جو کچھ سنا، اس کی ہوشربا لذت سے آج تک سرشار ہوں‘‘۔

14- حضرت مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’حقیقت یہ ہے کہ دین ملا تو یہاں سے‘‘۔

15- حضرت سیّد شاہ محمد قتیل چشتی قائم دانا پوری فرماتے ہیں:

''دشمنوں کو چاہیے تھا کہ مجدد مائۃ حاضرہ حضرت امام احمد رضا خان صاحب قدس سرہ کے قدم چومتے کہ وہ لوگوں کو بدعقیدوں سے بچا کر راہِ مستقیم پر لائے اور اللہ کے کروڑوں بندوں کی ہدایت فرما کر ان کو دوزخ سے چھٹکارا دلوایا اور جنت الفردوس میں پہنچایا''۔

16- حضرت علامہ ابو محمد سعید شاہ اشرفی فرماتے ہیں:

''مجدد اسلام کی ذات پورے علماء میں اور پوری صدی میں ممتاز ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اہل ایمان امام احمد رضا خان قدس سرہ کے نام اور وجود کو خدا اور رسول کا ایک احسانِ عظیم سمجھتے ہیں اور مجدد اسلام کی عقیدت کے گن گا کر اپنی رشد و ہدایت کا ثبوت دیتے ہیں۔ جو لوگ آپ کی ذات کو اپنا پیشوا و مقتدا تسلیم نہ کریں، وہ گمراہ ہیں اور جو علماء و مشائخ آپ کی ذات سے بغض رکھیں، وہ بدمذہب ہیں۔ راقم الحروف جو اپنے علاقہ کے ایک عظیم بزرگ قطب رائچور حضرت سیّد شاہ شمس عالم حسینی قدس سرہ (جو مخدوم کچھوچھہ حضرت شاہ اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ کے تین واسطوں سے خلیفہ برحق ہیں) کا سجادہ نشین ہے، یہ اعلان کرتا ہے کہ جو سیّد اور اہل خاندان اعلیٰ حضرت سیّدنا امام احمد رضا خان قدس سرہ کے قریب ہوا اور اس مجدد اسلام کے ہر ارشاد کو ''حکم العالم المطاع وما علینا الا الاتباع'' تسلیم کیا، اس نے لادینی فتنوں سے محفوظ رہ کر اس نسبت و وابستگی کے ذریعہ نجات حاصل کر لی اور یہ کہ آپ کی عقیدت و محبت چودھویں اور پندرہویں صدی ہجری کے لیے معیار سنت ہے''۔

17- حضرت سیّد قطب الدین فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا احمد رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ آقائے نامدار حضور نبی کریم ﷺ کے عاشق صادق اور عالم متبحر تھے۔ انہوں نے دورِ انحطاط میں اہل سنت و جماعت کی بروقت رہنمائی و قیادت فرمائی اور آج بھی ان کی تعلیمات علمائے

کرام کے لیے مشعل راہ ہیں‘‘۔

18- حضرت امام احمد سعید شاہ کاظمی فرماتے ہیں:

’’حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امتِ محمدیہ کے بڑے محسن ہیں اور ہدایت کی راہوں کو ہمارے لئے کھول کر چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ اعلیٰ حضرت کے فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کا ہم کو موقع عطا فرمائے‘‘۔ آمین

19- پیر سیّد نصیر الدین نصیر گولڑوی لکھتے ہیں:

’’حضرت مولانا احمد رضا خان کی شخصیت محتاج تعارف و تبصرہ نہیں اور ان کی خدمات سب کے سامنے ہیں۔ مولانا مرحوم کی علمی و فنی اہمیت کے باوصف عشق رسول ﷺ کی جو خصوصیت ان کے دور میں ملی ہیں، وہ سب سے زیادہ اہم اور قابل ستائش ہے‘‘۔

20- حضرت سیّد شریف احمد شرافت نوشاہی فرماتے ہیں:

جناب حضرت والا مناقب — امیر عارفاں آں مرد سجاد
امام و مقتدائے اہل سنت — رئیس فاضلاں و اہل ارشاد
فقیہ ملت بیضائے اسلام — گروہ اصفیا را پیر و استاد
حکیم امت احمد رضا خان ست — کہ بودہ در جہاں سلطان اوتاد

21- حضرت شیخ سید احمد الجزائری مالکی فرماتے ہیں:

’’علامہ زماں، یکتائے روزگار، سرچشمہ معرفت عدنان کے سردار کی نظروں کے مرکز حضرت مولانا ’’شیخ احمد رضا خان‘‘۔ اللہ ان کی عمر دراز کرے۔ ہر صاحب توفیق سمجھدار اس سے نفع حاصل کرے گا اور لرزہ بر انداز ہوگا اس سے ہر گنہگار و بدکار‘‘۔

22- حضرت سیّد شیخ اسماعیل بن خلیل مکی فرماتے ہیں:

’’ہمارے شیخ علامہ مجدد جو علی العموم تمام استادوں کے شیخ ہیں، مولوی احمد رضا خان جب 1323ھ میں حج کعبہ معظمہ کے لیے مکہ مکرمہ پہنچے، بعض فاسقوں کی مدد سے

کچھ کجی والوں نے اور نرے بدنصیبوں نے اس وقت کے شریف مکہ کے یہاں ضرر پہنچانے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے ان کی بقا دراز کرے اور ان کو ہماری دنیا و آخرت کا ذخیرہ بنائے۔ میں اللہ عزوجل کی حمد بجالاتا ہوں کہ اس نے اس عالم باعمل کو مقرر فرمایا جو فاضل کامل ہے۔ مناقب و مفاخر والا اس مثل کا مظہر کہ اگلے پچھلوں کے لیے بہت کچھ چھوڑ گئے۔ یکتائے زمانہ اپنے وقت کا یگانہ ''مولانا احمد رضا خان''۔

مزید لکھتے ہیں:

''اگر ان کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کے ''مجدد'' ہیں تو بے شک حق و صحیح ہے''۔

حضرت سیّد اسماعیل بن خلیل مکی قدس سرہ العزیز نے خود کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا بیٹا لکھا ہے۔

23- حضرت سیّد مرزوق ابو حسین مکی فرماتے ہیں:

''میں نے علم کا کوہ بلند دیکھا جس کے نور کا ستون اونچا ہے اور معرفتوں کا ایسا دریا ہے جس سے مسائل نہروں کی طرح چھلکتے ہیں۔ حضرت مولانا علامہ فاضل مولوی بریلوی ''حضرت احمد رضا'' اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے اور دونوں جہان میں انہیں ہمیشہ سلامت رکھے''۔

24- حضرت سیّد احمد علوی مدنی فرماتے ہیں:

''فاضلوں سے افضل، سب عاقلوں سے زیادہ دانشمند، اگلوں کا فخر، پچھلوں کا پیشوا، ''حضرت احمد رضا خان بریلوی'' اللہ اپنے پوشیدہ لطف سے ان کے ساتھ معاملہ کرے''۔

25- حضرت سیّد عباس بن رضوان اللہ مدنی فرماتے ہیں:

''کامل بزرگ، عالم و عامل، مجلس کی رونق، زینت اور مسرت وہ جس نے سنت کی مدد کر کے نعمت پائی اور بدعتوں کو اکھاڑ پھینکا جو اپنی زبان کی تیغ براں اور بیان

شیریں سے بدمذہبوں پر غالب رہا، صاحب فضیلت و معرفت مولوی احمد رضا خان بریلوی‘‘۔

26- حضرت شیخ سیّد محمد برہان الدین مدنی فرماتے ہیں:

’’مصنف (امام احمد رضا) کو عشق رسول کے خزانوں سے دولت ابدی حاصل ہوئی اور انہوں نے اس دولت کو لوگوں میں تقسیم فرمایا۔ حضور سیّد عالم ﷺ کی محبت میں اس علامہ کا اتباع اور ان کے نقش قدم پر چلو کہ یہ سیدھے راستے اور صراطِ مستقیم پر ہیں‘‘۔

27- حضرت سیّد محمد عثمان قادری مدنی فرماتے ہیں:

’’اس (کتاب الدولة المکیه بالمادة الغیبیه) کے مصنف یکتائے زمانہ و روزگار یگانہ، فاضل و کامل، عالم و عامل، قامعِ بدعت، و ناصرِ سنت، محقق و مدقق، سردارِ وقت، پیشوائے زمانہ مولانا الحاج محمد احمد رضا خان قادری بریلوی ہیں‘‘۔

28- حضرت سیّد محمد بن واقع حسنی مدنی فرماتے ہیں:

’’میں نے مطالعہ کیا کتاب مستطاب ’’الدولة المکیہ‘‘ کا جس کے مصنف فخر ہندوستان حضرت عالم علامہ شیخ احمد رضا خان صاحب ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوں (1330ھ/ 1911ء) تو یہ رسالہ مجھے بے انتہا پسند آیا۔ پس پاک ہے وہ ذات جو عطا فرماتا ہے حکمت جس کو چاہے اور ارادہ کرے اور کچھ جائے تعجب نہیں کہ اللہ کے بعض بندے زمین میں اصلاح کرنے والے اور فساد کو زائل کرنے والے ہیں‘‘۔

29- حضرت سیّد عبدالقادر طرابلسی فرماتے ہیں:

’’حامی ملت محمدیہ طاہرہ مجدد مائۃ حاضرہ میرے استاذ و میرے پیشوا حضرت مولانا احمد رضا خان۔ میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ اس استاذ کی عمر دراز فرمائے۔ رشد و ہدایت کے حلوں میں ناز کرتا ہوا اور مخلوق کو ان سے ہمیشہ نفع دے۔

30- حضرت شیخ سیّد یوسف ہاشم الرفاعی فرماتے ہیں:

''امام احمد رضا شریعت اور طریقت دونوں کے جامع تھے اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کی طرف انتقال نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ آپ نے دین کی تجدید میں روح کو بیدار کرنے میں' اسلام پر غیرت دلانے میں اور مسلمانوں کے عقل و قلوب میں اپنے پیارے رسول ﷺ کی محبت کو بیدار کرنے میں آپ نے اس کے عظیم پیغام کی ادائیگی کا حق ادا کر دیا''۔

(بقیہ علمائے کرام کے تاثرات آپ کو کتاب کے اندر جگہ جگہ نظر آئیں گے۔

(اعلیٰ حضرت سادات کی نظر میں از ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی' دہلی بحوالہ ماہنامہ جہانِ رضا' لاہور مارچ 1995ء)

اعلیٰ حضرت مخالفین و معاندین کی نظر میں

1 - مولوی محمد قاسم نانوتوی کا نظریہ:

''دیوبندی حکیم الامت اشرف علی تھانوی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب (نانوتوی) دہلی تشریف رکھتے تھے اور ان کے ساتھ مولانا احمد حسن امروہوی اور امیر شاہ خان صاحب بھی تھے شب کو جب سونے کے لیے لیٹے تو ان دونوں نے اپنی چارپائی ذرا الگ کو بچھالی اور باتیں کرنے لگے۔ امیر شاہ خان صاحب نے مولوی صاحب سے کہا کہ صبح کی نماز ایک برج والی مسجد میں چل کر پڑھیں گے' سنا ہے کہ وہاں کے امام قرآن شریف بہت اچھا پڑھتے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ ارے پٹھان جاہل (آپ میں بے تکلفی بہت تھی) ہم اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے وہ تو ہمارے مولانا (نانوتوی) کی تکفیر کرتا ہے۔ مولانا (نانوتوی) نے سن لیا اور زور سے فرمایا: احمد حسن میں تو سمجھا تھا تو لکھ پڑھ گیا ہے مگر جاہل ہی رہا۔ پھر دوسروں کو جاہل کہتا ہے۔ ارے کیا قاسم کی تکفیر سے وہ قابل امامت نہیں رہا میں تو اس سے اُس کی دین داری کا معتقد ہو گیا۔ اس نے میری کوئی ایسی ہی بات سنی ہوگی جس کی وجہ سے میری تکفیر واجب تھی۔ گو روایت غلط پہنچی ہو' تو یہ راوی پر الزام ہے۔ تو اس کا سبب دین ہی ہے اب

میں خود اس کے پیچھے نماز پڑھوں گا۔ غرضیکہ صبح کی نماز مولانا (نانوتوی) نے اس کے پیچھے پڑھی۔ (الافاضات الیومیہ من افادات القومیہ 394/4)

2- دیوبندی حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی کا موقف:

i- خلیفۂ تھانوی مفتی محمد حسن بیان کرتے ہیں:

''حضرت تھانوی نے فرمایا: اگر مجھے مولوی احمد رضا صاحب بریلوی کے پیچھے نماز پڑھنے کا موقع ملتا تو میں پڑھ لیتا''۔

(حیاتِ امداد ص 38' انوار قاسمی ص 389' اسوۂ اکابر ص 15 ہفت روزہ چٹان لاہور 10 فروری 1962ء)

ii- میں علماء کے وجود کو دین کی بقاء کے لئے اس درجہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر سارے علماء ایسے مسلک کے بھی ہو جائیں' جو مجھ کو کافر کہتے ہیں (یعنی بریلوی صاحبان) تو میں پھر بھی ان کی بقاء کے لئے دعائیں مانگتا رہوں کیونکہ گو وہ بعض مسائل میں غلو کریں لیکن وہ تعلیم تو قرآن و حدیث ہی کی کرتے ہیں۔ ان کی وجہ سے تو دین قائم ہے''۔ (اشرف السوانح 192/1' حیاتِ امداد ص 38' اسوۂ اکابر ص 15)

iii- دیوبندی عالم کوثر نیازی لکھتے ہیں:

''مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی سے میں نے سنا' فرمایا: جب حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی تو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کو کسی نے آ کر اطلاع کی۔ مولانا تھانوی نے بے اختیار دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیے جب وہ دعا کر چکے' تو حاضرین مجلس میں سے کسی نے پوچھا وہ تو عمر بھر آپ کو کافر کہتے رہے اور آپ ان کے لئے دعائے مغفرت کر رہے ہیں۔ فرمایا: اور یہی بات سمجھنے کی ہے مولانا احمد رضا خان نے ہم پر کفر کے فتوے اس لئے لگائے کہ انہیں یقین تھا کہ ہم نے توہین رسول کی ہے اگر وہ یہ یقین رکھتے ہوئے بھی ہم پر کفر کا فتویٰ نہ لگاتے تو خود کافر ہو جاتے''۔

(بحوالہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ایک ہمہ جہت شخصیت ص 7' روزنامہ جنگ' لاہور 3 اکتوبر 1990ء)

روزنامہ جنگ، راولپنڈی 10 نومبر 1981ء)

iv- مولانا اشرف علی تھانوی کا قول ہے کہ کسی بریلوی کو کافر نہ کہو اور نہ آپ نے کسی بریلوی کو کافر کہا...... ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت تھانوی ایک بڑے جلسے میں خطاب فرما رہے تھے کہ اطلاع ملی، مولوی احمد رضا بریلوی انتقال کر گئے ہیں۔ آپ نے تقریر کو ختم کر دیا اور اسی وقت خود اور اہل جلسہ نے آپ کے ساتھ مولوی احمد رضا کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ (ہفت روزہ چٹان لاہور، 15 دسمبر 1962ء)

v- مولانا احمد رضا خان بریلوی زندگی بھر انہیں (اشرف علی تھانوی کو) کافر کہتے رہے۔ لیکن مولانا تھانوی فرمایا کرتے تھے کہ میرے دل میں احمد رضا کے لئے بے حد احترام ہے۔ وہ ہمیں کافر کہتا ہے لیکن عشقِ رسول کی بناء پر کہتا ہے کسی اور غرض سے تو نہیں کہتا''۔ (ہفت روزہ چٹان، لاہور 23 اپریل 1962ء)

3- مولانا انور شاہ کشمیری دیوبندی لکھتے ہیں:

''جب بندہ ترمذی شریف اور دیگر کتب احادیث کی شروح لکھ رہا تھا تو حسب ضرورت احادیث کی جزئیات دیکھنے کی ضرورت درپیش آئی تو میں نے شیعہ حضرات و اہل حدیث حضرات و دیوبندی حضرات کی کتابیں دیکھیں مگر ذہن مطمئن نہ ہوا۔ بالآخر ایک دوست کے مشورے سے مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کی کتابیں دیکھیں تو میرا دل مطمئن ہو گیا کہ اب بخوبی احادیث کی شروح بلا جھجک لکھ سکتا ہوں۔ تو واقعی بریلوی حضرات کے سرکردہ عالم مولانا احمد رضا خان صاحب کی تحریریں شستہ اور مضبوط ہیں جسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مولوی احمد رضا خان صاحب ایک زبردست عالم دین اور فقیہ ہیں''۔

(رسالہ ہادی دیوبند ص 21 جمادی الاولیٰ 1330ھ بحوالہ طمانچہ ص 39، سفید و سیاہ ص 114)

4- دیوبندی شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

''مولانا احمد رضا خان کو تکفیر کے جرم میں بُرا کہنا بہت ہی بُرا ہے کیونکہ وہ بہت بڑے عالم اور بلند پایہ محقق تھے۔ مولانا احمد رضا خان کی رحلت عالم اسلام کا ایک

بہت بڑا سانحہ ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا"۔

(رسالہ ہادی، دیوبند ص 20 ذوالحجہ 1369ھ بحوالہ سفید و سیاہ ص 116، طمانچہ ص 41 و 42)

مزید لکھتے ہیں:

"ہم ان بریلویوں کو بھی کافر نہیں کہتے جو ہم کو کافر بتلاتے ہیں"

(الشہاب الثاقب ص 20، تالیفاتِ عثمانی ص 522، حیاتِ امداد ص 39)

5- مولوی اعزاز علی دیوبندی لکھتے ہیں:

"جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، کہ ہم دیوبندی ہیں اور بریلوی علم و عقائد سے ہمیں کوئی تعلق نہیں۔ مگر اس کے باوجود بھی یہ احقر یہ بات تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ اس دور کے اندر اگر کوئی محقق اور عالم دین ہے تو وہ احمد رضا خان بریلوی ہے کیونکہ میں نے مولانا احمد رضا خان کو جسے ہم آج تک کافر، بدعتی اور مشرک کہتے رہے ہیں بہت وسیع النظر اور بلند خیال، علو ہمت، عالم دین اور صاحب فکر و نظر پایا ہے۔ آپ کے دلائل قرآن و سنت سے متصادم نہیں بلکہ ہم آہنگ ہیں۔ لہٰذا میں آپ کو مشورہ دوں گا اگر آپ کو کسی مشکل مسئلہ جات میں کسی قسم کی الجھن درپیش ہو، تو آپ بریلی میں جا کر مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی سے تحقیق کریں"۔

(رسالہ النور، تھانہ بھون ص 40 شوال المکرم 1342 بحوالہ طمانچہ ص 40، سفید و سیاہ ص 114)

6- دیوبندی شیخ التفسیر مولوی ادریس کاندھلوی کا نظریہ:

دیوبندی عالم کوثر نیازی لکھتے ہیں:

"میں نے صحیح بخاری کا درس مشہور دیوبندی عالم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی سے لیا ہے۔ کبھی کبھی اعلیٰ حضرت (احمد رضا بریلوی) کا ذکر آ جاتا تو مولانا (ادریس) کاندھلوی فرمایا کرتے۔ مولوی صاحب (اور یہ "مولوی صاحب" ان کا تکیہ کلام تھا) مولانا احمد رضا خان کی بخشش تو انہی فتووں کے سبب ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: احمد رضا خان تمہیں ہمارے رسول سے اتنی

محبت تھی کہ اتنے بڑے بڑے عالموں کو بھی تم نے معاف نہیں کیا۔ تم نے سمجھا کہ انہوں نے توہینِ رسول کی ہے تو ان پر بھی کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ جاؤ اسی ایک عمل پر ہم نے تمہاری بخشش کر دی''۔

(اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ایک ہمہ جہت شخصیت ص 7' روزنامہ جنگ' لاہور 3 دسمبر 1990ء)

7- مولوی شبلی نعمانی دیوبندی لکھتے ہیں:

''مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی جو اپنے عقائد میں سخت ہی متشدد ہیں مگر اس کے باوجود مولانا صاحب کا علمی شجر اس قدر بلند درجہ کا ہے کہ اس دور کے تمام عالم دین اس مولوی احمد رضا خان صاحب کے سامنے پرکاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ اس احقر نے بھی آپ کی متعدد کتابیں دیکھی ہیں۔

(رسالہ ندوہ اکتوبر 1914ء ص 17 بحوالہ طمانچہ ص 34)

8- مولوی ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر جوان (فاضل بریلوی) کو عبور حاصل تھا۔ اس زمانہ میں اس کی نظیر نہیں ملتی''۔ (نزہۃ الخواطر 41/8)

9- مولوی معین الدین ندوی لکھتے ہیں:

''مولانا احمد رضا خان مرحوم صاحب علم و نظر مصنفین میں سے تھے۔ دینی علوم خصوصاً فقہ و حدیث پر ان کی نظر وسیع اور گہری تھی' مولانا نے جس دقتِ نظر اور تحقیق کے ساتھ علماء کے استفسارات کے جواب تحریر فرمائے ہیں' اس سے ان کی جامعیت' علمی بصیرت' قرآنی استحضار' ذہانت اور طباعی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے' ان کے عالمانہ و محققانہ فتاویٰ مخالف و موافق ہر طبقہ کے مطالعے کے لائق ہیں''۔

(ماہنامہ معارف' اعظم گڑھ ستمبر 1949ء بحوالہ سفید و سیاہ 114 و 115)

10- سیّد سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''اس احقر نے مولانا احمد رضا صاحب بریلوی کی چند کتابیں دیکھیں تو میری آنکھیں خیرہ کی خیرہ ہو کر رہ گئیں' حیران تھا کہ واقعی مولانا بریلوی صاحب مرحوم

کی ہیں جن کے متعلق کل تک یہ سنا تھا کہ وہ صرف اہل بدعت کے ترجمان ہیں اور صرف چند فروعی مسائل تک محدود ہیں مگر آج پتہ چلا کہ نہیں ہرگز نہیں یہ اہل بدعت کے نقیب نہیں بلکہ یہ تو عالم اسلام کے اسکالر اور شاہکار نظر آتے ہیں۔ جس قدر مولانا مرحوم کی تحریروں میں گہرائی پائی جاتی ہے اس قدر گہرائی تو میرے استاد مکرمہ جناب مولانا شبلی صاحب اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اور حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی اور حضرت، مولانا شیخ التفسیر علامہ شبیر احمد عثانی کی کتابوں کے اندر بھی نہیں جس قدر مولانا بریلوی کی تحریروں کے اندر ہے۔

(ماہنامہ ندوہ اگست 1931ء ص 17 بحوالہ طمانچہ ص 35,36 سفید وسیاہ ص 112)

11 - بانی تبلیغی جماعت مولوی محمد الیاس کے متعلق محمد عارف رضوی لکھتے ہیں:

”کراچی میں ایک عالم دین نے، جن کا تعلق مسلکِ دیوبند سے تھا، فرمایا تھا کہ تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاس صاحب فرماتے تھے کہ اگر کسی کو محبتِ رسول سیکھنی ہو تو مولانا (احمد رضا) بریلوی سے سیکھے“۔

(بحوالہ فاضل بریلوی اور ترک موالات ص 100)

دیوبندی عالم ماہر القادری لکھتے ہیں:

مولانا احمد رضا خان بریلوی مرحوم دینی علوم کے جامع تھے دینی علم و فضل کے ساتھ شیوہ بیان شاعر بھی تھے۔ اور ان کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ مجازی راہ سخن سے ہٹ کر صرف نعت رسول کو اپنے افکار کا موضوع بنایا۔ مولانا احمد رضا خان کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا خان بہت بڑے خوش گو شاعر تھے اور مرزا داغ سے نسبت تلمذ رکھتے تھے۔ مولانا احمد رضا خان کی نعتیہ غزل کا یہ مطلع

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

جب استاد مرزا داغ کو حسن بریلوی نے سنایا تو داغ نے بہت تعریف کی اور فرمایا

کہ مولوی ہو کر اچھے شعر کہتا ہے۔ (ماہنامہ فاران' کراچی ستمبر 1973ء)

ایک اور شمارے میں لکھتے ہیں:

مولانا احمد رضا خان بریلوی نے قرآن کا سلیس رواں ترجمہ کیا ہے۔ ......مولانا صاحب نے ترجمہ میں بڑی نازک احتیاط برتی ہے...... مولانا صاحب کا ترجمہ خاصا اچھا ہے...... ترجمہ میں اُردو زبان کا احترام پسندانہ اسلوب قائم رکھا ہے۔ (ماہنامہ فاران' کراچی مارچ 1976ء)

13 - مولوی عظیم الحق قاسی فاضل دیوبند لکھتے ہیں:

ہوسکتا ہے کہ آپ کو اس بات کا علم ہو کہ (مدرسہ) دیوبند میں اعلیٰ حضرت یا ان سے تعلق رکھنے والے رسائل و کتب نہیں پہنچتے' نہ ہی وہاں طلبہ کو اجازت ہوتی ہے۔ بلکہ دیکھنا جرم سے کم نہیں۔ میں بھی وہیں (دارالعلوم دیوبند) کا فارغ التحصیل ہوں' وہاں سے مجھ کو بریلویوں سے نفرت اور ان کی کتابوں سے عداوت دل میں پرورش پائی' اس لئے میں کبھی ان کی کتب سے استفادہ نہیں کرسکا۔ ''قاری'' چونکہ نیا رسالہ ہے اور ظاہراً یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ بریلویوں کا رسالہ ہے' اس سبب سے میں نے قاری کا مطالعہ کیا اور (مولانا احمد رضا) فاضل بریلوی نے شمع رسالت کی جو ضیا پاشی کی ہے۔ اس کا ادنیٰ حصہ پہلی مرتبہ ''قاری'' کے ذریعے نظر نواز ہوا جس نے میرے دل کی دنیا کو بدل ڈالا۔ ابھی تو صرف ایک فتوے نے اعلیٰ حضرت کے عشق رسول ﷺ کا مجھ کو معترف کردیا یہ پورا فتویٰ حبّ رسول کا ایک گلدستہ ہے میں اپنے دل کے حالات ان لفظوں میں بیان کروں گا' کہ اگر ہمارے علمائے دیوبند تنگ نظری اور تعصب کو ہٹا دیں تو شاید مولانا اسماعیل سے لے کر ہنوز سب، فاضل بریلوی کے شاگردوں کی صف میں نظر آئیں گے۔ (ماہنامہ قاری' دہلی اپریل 198ء)

14 - بلوچستان کے مشہور دیوبندی عالم مولوی عبدالباقی' پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

’’واقعی اعلیٰ حضرت مفتی صاحب قبلہ اسی منصب کے مالک ہیں۔ مگر بعض حاسدوں نے آپ کے صحیح حلیہ اور علمی تبحر کو طاقِ نسیان میں رکھ کر آپ کے بارے میں غلط اوہام پھیلا دیئے ہیں جس کو ناآشنا قسم کے لوگ سن کر صید وحشی کی طرح متنفر ہو جاتے ہیں اور ایک مجاہد عالم دین مجدد وقت ہستی کے بارے میں گستاخیاں کرنے لگ جاتے ہیں حالانکہ علمیت میں وہ ایسے بزرگوں کے عشر عشیر بھی نہیں ہوں گے۔ (فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں صفحہ 17)

15 - مولوی فخر الدین مراد آبادی لکھتا ہے:

’’مولانا احمد رضا خان سے ہماری مخالفت اپنی جگہ پر تھی مگر ہمیں ان کی خدمت پر بڑا ناز ہے۔ غیر مسلموں سے ہم آج تک بڑے فخر کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دنیا بھر کے علوم اگر کسی ایک ذات میں جمع ہو سکتے ہیں تو وہ مسلمان ہی کی ذات ہو سکتی ہے دیکھ لو مسلمانوں ہی میں مولوی احمد رضا خان کی ایسی شخصیت آج بھی موجود ہے، جو دنیا بھر کے علوم میں یکساں مہارت رکھتی ہے۔ ہائے! افسوس کہ آج ان کے دم کے ساتھ ہمارا یہ فخر بھی رخصت ہو گیا۔ (بحوالہ سفید و سیاہ ص 116)

16 - ابوالکلام آزاد کہتے ہیں:

’’مولانا احمد رضا خان: ایک سچے عاشق رسول گزرے ہیں، میں تو یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ ان سے توہینِ نبوت ہو‘‘۔ (بحوالہ امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں ص 96)

17 - سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے تحریک ختم نبوت کے دوران قاسم باغ ملتان کے ایک جلسے میں کہا:

’’بھائی بات یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب قادری کا دماغ عشقِ رسول سے معطر تھا اور اس قدر غیور آدمی تھے کہ ذرہ برابر بھی، توہین الوہیت و رسالت کو برداشت نہیں کر سکتے تھے پس جب انہوں نے ہمارے علمائے دیوبند کی کتابیں دیکھیں تو ان کی نگاہ علمائے دیوبند کی بعض ایسی عبارات پر پڑی کہ جن میں سے انہیں توہین رسول کی بو آئی، اب انہوں نے محض عشقِ رسول کی بناء پر ہمارے ان

دیوبندی علماء کو کافر کہہ دیا اور وہ یقیناً اس میں حق بجانب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمتیں ہوں آپ بھی سب مل کر کہیں، ''مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ'' سامعین سے کئی مرتبہ ''رحمۃ اللہ علیہ'' کے دعائیہ الفاظ کہلوائے''۔

(ماہنامہ جناب عرض، رحیم یار خان غزالی دوراں نمبر جلد نمبر 1 شمارہ 10، 1990ء، ص 46-245)

18- سیّد ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

''مولانا احمد رضا خان صاحب کے علم و فضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے، فی الواقع وہ علوم دینی پر بڑی نظر رکھتے تھے اور ان کی فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے، جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔ نزاعی مباحث کی وجہ سے جو تلخیاں پیدا ہوئیں وہی دراصل ان کے علمی کمالات اور دینی خدمات پر پردہ ڈالنے کی موجب ہوئیں''۔ (ہفت روزہ شہاب 25 نومبر 1962ء بحوالہ سفید و سیاہ ص 112)

19- مولوی مودودی کے مشیر جسٹس ملک غلام علی لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب کے بارے میں اب تک ہم لوگ سخت غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں۔ ان کی بعض تصانیف اور فتاویٰ کے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے ان کے یہاں پائی وہ بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے اور عشق خدا و رسول تو ان کی سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے''۔

(ارمغانِ حرم لکھنؤ ص 14 بحوالہ سفید و سیاہ ص 114)

20- مولوی جعفر شاہ پھلواری لکھتے ہیں:

جناب فاضل بریلوی علومِ اسلامیہ تفسیر، حدیث و فقہ پر عبور رکھتے تھے منطق، فلسفے اور ریاضی میں بھی کمال حاصل تھا۔ عشقِ رسول کے ساتھ ادب رسول میں اتنے سرشار تھے کہ ذرا بھی بے ادبی کی برداشت نہ تھی، کسی بے ادبی کی معقول توجیہ اور تاویل نہ ملتی، تو کسی اور رعایت کا خیال کیے بغیر اور کسی بڑی سے بڑی شخصیت کی پرواہ کیے بغیر دھڑلے سے فتویٰ لگا دیتے۔

انہیں حبِ رسول [illegible] اتنی زیادہ فنائیت حاصل تھی کہ غلو کا پیدا ہو جانا بعید نہ تھا۔

تقاضائے ادب نے انہیں بڑا حساس بنا دیا تھا اور اس احساس میں جب خاصی نزاکت پیدا ہو جائے تو مزاج میں سخت گیری کا پہلو بھی نمایاں ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں، اگر بعض بے ادبانہ کلمات کو جوش توحید پر محمول کیا جا سکتا ہے تو تکفیر کو بھی محبت و ادب کا تقاضا قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس لیے فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کو میں اس معاملے میں معذور سمجھتا ہوں لیکن یہ حق صرف اس کے لئے مخصوص جانتا ہوں جو فاضل موصوف (محدث بریلوی) کی طرح فنا فی الحب والادب ہو۔ (بحوالہ سفید و سیاہ صفحہ 116و115)

21- وہابیہ کے شیخ الاسلام مولوی ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں:

”مولانا احمد رضا بریلوی مرحوم مجدد مائۃ حاضرہ“۔ (فتاویٰ ثنائیہ 264,263/1)

22- جمعیت علمائے اسلام کے بڑے مشہور دیوبندی عالم مفتی محمود نے کہا کہ میں اپنے عقیدت مندوں پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر انہوں نے بریلوی حضرات کے خلاف کوئی تقریر یا ہنگامہ کیا تو میرا ان سے کوئی تعلق نہیں رہے گا اور میرے نزدیک ایسا کرنے والا نظامِ مصطفیٰ کا دشمن ہوگا۔

(روزنامہ آفتاب، ملتان مارچ 1979ء)

ایک صاحب دیوبندی مزید لکھتے ہیں:

لائق صد احترام اساتذہ (دیوبندی) میں سے کسی نے بھی تو دورانِ اسباق بریلوی مکتب فکر سے نفرت کا اظہار نہیں کیا۔ مفتی (محمود) صاحب نے فرمایا: میرے اکابرین نے اس (بریلوی) فرقہ پر کوئی فتویٰ فسق کے علاوہ کا نہیں دیا میرا بھی یہی خیال ہے۔ (سیف حقانی ص 79)

(”اعلیٰ حضرت مخالفین و معاندین کی نظر میں“ یہ تمام مضمون بوساطتِ فاضل جلیل عالم نبیل حضرت مولانا محمد کاشف اقبال مدنی رضوی دامت برکاتہ القدسیہ اس کتاب میں شامل کیا گیا، جو ان کی کتاب ”امام احمد رضا مخالفین کی نظر میں“ میلاد پبلی کیشنز (دربار مارکیٹ، لاہور) اور بزمِ عاشقانِ مصطفیٰ کے زیرِ اہتمام چھپ چکا

ہے۔ اللہ تعالیٰ جل مجدہ ان کی اس علمی و تحقیقی کاوش کو اپنے دربار میں قبول فرمائے۔ آمین)

وَمَا تَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اَنَبْتُ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْر ۔ رَبِّ اَوْزِعْنِىْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِىْ اَنْعَمْتَ عَلَىَّ وَعَلٰى وَالِدَىَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَصْلِحْ لِىْ فِىْ ذُرِّيَّتِىْ اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا وَّلَكَ الشُّكْرُ شُكْرًا جَزِيْلاً عَلٰى اَنَّكَ وَفَّقْتَنِىْ بِجَمْعِ حَالَاتِ اِمَامِ اَهْلِ السُّنَّةِ، مُجَدِّدِ الدِّيْنِ وَالْمِلَّةِ اَلْحَافِظُ اَلْقَارِىْ اَلْحَاجّ مَوْلَانَا اَلشَّاهُ الْاِمَامُ مُحَمَّدُ اَحْمَدُ رَضَا خَانْ اَلْحَنَفِىْ اَلْقَادِرِىْ اَلْقَنْدَهَارِىْ الْهِنْدِىْ ثُمَّ الْبَرِيْلَوِىْ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَرَحِمَهٗ رَحْمَةً كَبِيْرَةً كَثِيْرَةً وَّاسِعَةً دَائِمَةً يَوْمَ يُنَادِى الْمُنَادِىْ وَاَرْضَاهُ وَاَفَاضَ عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِهِمْ وَنَعْمَائِهِمْ وَتَرْتِيْبِهَا بِفَضْلِ اللّٰهِ الْعَلَّامِ الْحَىِّ الْقَيُّوْمِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ وَفَّقَنِىْ هٰذَا التَّوْفِيْقَ وَاَرْجُوْ عَنْهُ تَعَالٰى اَنْ يُّشَرِّفَهَا بِحُسْنِ الْقُبُوْلِ وَيَجْعَلَهٗ نَافِعًا لِاَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ بِوَسِيْلَةِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰى وَعَلٰى آلِهِ الْمُجْتَبٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَتَضَرَّعُ اِلَيْهِ بِالدُّعَاءِ مِنْهُ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔ اَللّٰهُمَّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْتَ وَلِيِّ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِىْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِىْ بِالصَّالِحِيْنَ ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ وَلِوَالِدَىَّ وَلِاَسَاتِذَتِىْ وَارْحَمْهُمْ كَمَا رَبَّوْنِىْ صَغِيْرًا ۔ اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِىْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِىْ مِنَ الرِّيَاءِ وَلِسَانِىْ مِنَ الْكِذْبِ وَعَيْنِىْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى

الصُّدُوْرُ ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَ حُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ يُبَلِّغُنِیْ حُبَّكَ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَمَالِیْ وَاَهْلِیْ وَأَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ وَالْمُعَافَاةَ فِی الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ اَنْ تَرْزُقَنِیْ عِلْمًا نَّافِعًا وَّ فَهْمًا كَامِلًا وَّرِزْقًا حَلَالًا طَيِّبًا وَّ طَبْعًا زَكِيًّا وَّ قَلْبًا صَفِيًّا خَاشِعًا وَّعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا وَّدُعَاءً مُّسْتَجَابًا ۔ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۔ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی وَسَلَّمَ عَلٰی اَوَّلِ خَلْقِهٖ وَاَكْمَلَ خَلْقِهٖ وَاَرْحَمَ خَلْقِهٖ سَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ قَائِدِ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی آلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ الْمُطَهَّرِيْنَ الْهَادِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ وَاَزْوَاجِهِ الطَّاهِرَاتِ الْقَانِتَاتِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَصْحَابِهِ الرَّاشِدِيْنَ الْمُشَيِّدِيْنَ وَعَلٰی اَوْلِيَآئِهِ الْوَاصِلِيْنَ الْمُقَرَّبِيْنَ وَجَمِيْعِ اَهْلِ سُنَّتِهٖ وَجَمَاعَتِهٖ اَجْمَعِيْنَ اِلٰی يَوْمِ الدِّيْنِ اَطْيَبَ التَّحِيَّاتِ وَاَزْكَی التَّسْلِيْمَاتِ ۔ آمِيْنَ ۔ بِجَاهِ النَّبِیِّ الْحَبِيْبِ الْكَرِيْمِ عَلَيْهِ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَالتَّسْلِيْمِ ۔

یوم الاربعاء عند تاذین الظهر

۱۴ رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ / ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء

احقر العباد

محمد رضاء الحسن قادری ابن مفتی غلام حسن قادری

انوارِ باہو لائبریری

جامع مسجد و محلہ مولانا روحی

اندرون بھاٹی گیٹ، لاہور

حواشی

۱؎ مرکزی مجلس رضا، لاہور کے زیرِ اہتمام ماہنامہ جہانِ رضا میں دو محققین کے مقالہ جات شائع ہوئے تھے کہ لفظ ''رضا'' بفتح را پڑھا جائے یا بکسرِ را یا دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے۔ ترجیح کس کو ہے؟ ایک محقق نے بالفتح کو ترجیح دی اور دوسرے نے بالکسر کو۔ پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی نے آخر میں فیصلہ کیلئے تحقیق کی دعوت دی ہے۔ محقق اہلِ سنت حضرت علامہ ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی مدظلہ العالی کی ان دونوں مقالہ جات پر تحقیق مزید یہ ہے کہ ''رضا'' میں را کو فتحہ کے ساتھ پڑھنا افضل ہے۔

(الحقائق فی الحدائق المعروف شرح حدائق بخشش 187/4 تا 198 ملخصاً)

۲؎ لفظ ''عبد'' کی وضاحت:

لفظ ''عبد'' دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

۱- عابد (عبادت کرنے والا) ۲- غلام اور خادم

(المفردات ص 322 و 323، لسان العرب 15/9 و 16، المعجم الوسیط ص 600، القاموس الوحید ص 1038، المنجد (عربی) ص 502، المنجد (اردو) ص 625، فیروز اللغات ص 425 وغیرہا من کتب اللغت)

پہلے معنیٰ کے اعتبار سے اس کی اضافت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی۔ اپنے آپ کو ماسوی اللہ کا عبد (عابد) کہنا شرک ہوگا، لیکن دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے محبوبانِ خدا کی نسبت سے اپنے آپ کو عبد کہنا قطعاً شرک نہیں بلکہ قرآن و حدیث کے مطابق ہے۔

۱- ارشادِ ربانی ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ

''اور نکاح کرو اپنوں میں ان کا، جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا۔'' (ترجمہ کنز الایمان، سورۃ النور: 32، پ: 18)

۲- حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ خیبر کی طرف نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔ مالِ غنیمت میں سونا، چاندی تو نہ ملا، البتہ ساز و سامان اور طعام دستیاب ہوا، واپسی پر ایک جگہ قیام فرمایا اسی اثناء میں قام عبد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يَحِلُّ رَحْلَهٗ یعنی رسول اللہ ﷺ کا غلام ساز و سامان کھولنے لگا۔ (صحیح مسلم: کتاب الایمان 74/1)

اس حدیث میں ''عبد'' کی نسبت صراحتہً نبی اکرم ﷺ کی طرف کی گئی ہے۔

۳- شاعرِ مشرق ڈاکٹر علامہ محمد اقبال ؒ فرماتے ہیں:

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے مارے مارے
میں اس کا بندا بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کسی کا نام "عبدالنبی" یا "عبدالرسول" رکھنا شرک نہیں بلکہ جائز ہے۔

۱۔ مولوی اسماعیل دہلوی علیہ ماعلیہ لکھتا ہے:

"کوئی اپنے بیٹے کا نام عبدالنبی رکھتا ہے، کوئی غلام محی الدین، کوئی معین الدین اور دعویٰ مسلمانی کیے جاتے ہیں۔ سبحان اللہ یہ منہ اور یہ دعویٰ"۔

(تقویۃ الایمان ص 5و6، مطبوعہ اخبار محمدی، دہلی)

۲۔ مولوی اشرف علی تھانوی نے علی بخش اور عبدالنبی وغیرہ نام رکھنے کو شرک کہا ہے۔ (بہشتی زیور 61/1)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی ﷫ نے اس قسم کے غلیظ و پلید اور کفر و شرک سے بھرپور فتووں کا نہ صرف تحریری رد کیا بلکہ اپنے نام کے ساتھ "عبدالمصطفیٰ" کا اضافہ فرمایا۔

علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی ایک منقبت میں یوں فرماتے ہیں:

محافظ تھا جو ناموسِ رسالت کا زمانے میں
جسے یہ فخر تھا کہ "ہوں میں عبدالمصطفیٰ" تم ہو

ایک اور منقبت میں فرمایا:

مصطفیٰ کی آن پر سب کچھ کیا تم نے نثار
ہو گئے مشہور "عبدالمصطفیٰ" پائندہ باد

۳۔ بعض پڑھے لکھے جاہل حضرات اہل سنت پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تم لوگ مولانا احمد رضا خان بریلوی کو "اعلیٰ حضرت" کہتے ہو حالانکہ حضور ﷺ بھی "حضرت" ہیں۔ فلہذا مولانا احمد رضا، حضور ﷺ سے بھی بڑے حضرت ہوئے۔ (معاذ اللہ)

اس اعتراض کے دو جواب ہیں:

۱۔ الزامی ۲۔ تحقیقی

الزامی جواب یہ ہے کہ معترض سے پوچھا جائے کہ اگر تو کسی شخص کو "اعلیٰ حضرت" کہنے سے وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی بڑا "حضرت" ہو جاتا ہے تو پھر اگر کسی عالم دین یا پیر صاحب کو "حضرت" کہہ دیا جائے تو وہ حضور اقدس ﷺ کے برابر تو ضرور ہو جائے گا (معاذ اللہ)، تو لازم آیا کہ کسی عالم یا بڑے کو حضرت بھی نہ کہا جائے حالانکہ کوئی بھی اس کو تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ اسی طرح کسی کو "امام اعظم"، "غوث اعظم" یا "قائد اعظم" کہا جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ حقیقی امام اعظم، غوث اعظم، قائد اعظم اور پیشوائے اعظم آپ ﷺ ہی کی ذات ہے۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ "اعلیٰ حضرت" (جناب عالی) کہنا صحیح نہیں تو پھر "حضرت اقدس" کہنا کب ٹھیک ہوگا جبکہ مخالفین اپنی تقریر و تحریر میں اپنے اکابر کو حضرت اقدس کے لقب سے نوازتے ہیں۔ اعلیٰ اور اقدس دونوں اسم تفضیل کے صیغے ہیں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ حضور ﷺ کو تو یہ لوگ صرف حضرت کہتے ہیں اور اپنے مولویوں کو حضرت اقدس کہتے ہیں تو یہ الٹی منطق انہی کے مسلک کے خلاف ہے۔

پھر ان کے اکابر کی کتب کو دیکھا جائے تو وہ لفظ "اعلیٰ حضرت" سے از اول تا آخر کھچا کھچ بھری پڑی ہیں مثلاً مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے اپنی کتاب "تذکرۃ الرشید" میں حاجی امداد اللہ مہاجر کی کو نہ جانے کتنی ہی مرتبہ اعلیٰ حضرت کہا ہے۔ صرف تذکرۃ الرشید کے صفحہ نمبر 46 اور 47 پر تقریباً ایک درجن سے زائد مقامات پر حاجی صاحب کو اعلیٰ حضرت لکھا ہے۔ اگر پوری کتاب کی چھان پھٹک کر کے اعداد و شماری کی جائے تو سینکڑوں مقامات پر لفظ "اعلیٰ حضرت" ملے گا۔

(مولانا شکیل الرحمٰن مصباحی نے اپنی کتاب "اکابر کے لئے لفظ اعلیٰ حضرت کا استعمال" میں ان تمام مقامات کی نشاندہی کی ہے۔ مطبوعہ: مکتبہ برکاتیہ نظامیہ UP)

اس کے علاوہ ان لوگوں کی کتابیں آپ بیتی از مولوی عاشق الٰہی میرٹھی' اشرف السوانح از خواجہ عزیز الحسن' تاریخ مشائخ چشت از مولوی زکریا سہارنپوری' سوانح قاسمی از مولوی مناظر حسین وغیرہ "اعلیٰ حضرت" کے القابات سے کھچا کھچ بھری پڑی ہیں۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا !
لڑتے ہیں جنگ اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں !!

لفظ اعلیٰ حضرت تو درکنار ان لوگوں نے اپنے اکابر کو نائب رسول (تذکرۃ الرشید 97/1)' مخدوم الکل اور مطاع العالم (تذکرۃ الرشید) وغیرہ القابات سے بھی ملقب کیا ہے۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

۴ یہ فہرست اوّل دور کی ہے۔ جو کتب اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بعد میں لکھیں ان کا شمار نہیں ورنہ باطل فرقوں رد میں آپ کی 400 تصنیف شدہ کتب ہیں۔ کتابوں کے نام مع التفصیل جاننے کیلئے حیات اعلیٰ حضرت جلد نمبر 2 کا مطالعہ فرمائیں۔

۵ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان افروز اور باطل سوز عقائد کی پختگی اور ایمان کی درستگی کا حامل ترجمۂ قرآن کنزالایمان اور دیگر تراجم کے تقابلی جائزے کے لیے درج ذیل کتب سے استفادہ فرمائیں:

۱- پاسبانِ کنزالایمان از مولانا ابوداؤد محمد صادق قادری رضوی۔ مطبوعہ: مکتبہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ

2- معارفِ کنزالایمان از مولانا یٰسین اختر مصباحی- مطبوعہ: بزمِ عاشقانِ مصطفیٰ، لاہور

3- محاسنِ کنزالایمان از ملک شیر محمد خان اعوان آف کالاباغ- مطبوعہ: مرکزی مجلس رضا، لاہور

4- قرآنِ شریف کے غلط تراجم کی نشاندہی از انیس احمد نوری- مطبوعہ: مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر

5- کنزالایمان کے خلاف سازش اور اس کا مثبت جواب از مولانا عبدالستار نیازی- مطبوعہ: مرکزی مجلس رضا، لاہور

6- کنزالایمان تفاسیر کی روشنی میں از مولانا محمد صدیق ہزاروی- مطبوعہ: مرکزی مجلس رضا، لاہور

7- ضیائے کنزالایمان از علامہ غلام رسول سعیدی- مطبوعہ: مرکزی مجلس رضا، لاہور

8- تسکین الجنان فی محاسنِ کنزالایمان از مولانا عبدالرزاق بھترالوی حطاروی- مطبوعہ: ضیاء العلوم پبلی کیشنز، راولپنڈی

٦ فتاویٰ رضویہ پرانے ایڈیشن میں، جو زیادہ تر ہندوستان سے شائع ہوتا رہا ہے، بارہ جلدوں میں تھا۔ اب پاکستان میں رضا فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات کے جدید انداز میں چھپ چکا ہے، جو تقریباً تیس مجلدات پر محیط ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے رجب المرجب 1426ھ/ اگست 2005ء کو ماضی قریب میں ہی پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے۔ بلا مبالغہ رضا فاؤنڈیشن اس عظیم علمی کارنامے پر مبارکباد کی مستحق ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ رضا فاؤنڈیشن کے جملہ اراکین و معاونین اور دیگر ادارہ جات و مکتبات کو اعلیٰ حضرت کی تعلیمات و تصنیفات کو عام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

٧ بعض لوگوں نے اپنی خوش اعتقادی کے باعث شاہ ولی اللہ دہلوی کو بھی بارہویں صدی کا مجدد کہا ہے، مگر تصریحاتِ علمائے اسلام کے مطابق ان کا شمار مجددین میں نہیں ہے کیونکہ شاہ صاحب موصوف کی پیدائش 1114ھ میں اور وفات 1176ھ میں ہوئی، تو شاہ صاحب کے عالم فاضل ہونے کے باوجود انہوں نے نہ تو کسی صدی کا آخر پایا اور نہ کسی صدی کا آغاز پایا۔ لہٰذا کسی شخص کی دینی و علمی خدمات کے سبب اُس کو مجدد کہنا صحیح نہیں ہے۔

بعض وہابیوں نے سید احمد رائے بریلوی اور ان کے مریدِ خاص مولوی اسماعیل دہلوی کو بھی مجدد قرار دیا ہے۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ ان دونوں پیر و مرید نے اصلاح کے نام پر اُمت میں فتنہ و فساد کا بیج بویا اور مسلمانوں کے پرانے اسلامی عقائد کو اپنی تقویت الایمانی بھیانک چال سے وہابیت کی طرف موڑا ہے، تو بھلا یہ دونوں مجدد کیسے ہو سکتے ہیں......؟؟ پھر ان باتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے قابلِ غور امر یہ ہے کہ سید احمد رائے بریلوی کی پیدائش 1201ھ میں اور اسماعیل دہلوی کی پیدائش 1193ھ میں ہوئی اور دونوں کی موت 1246ھ میں ہوئی، جس سے ظاہر ہوا کہ سید احمد رائے بریلوی نے بارہویں صدی کا زمانہ ہی نہ پایا اور مولوی

اسماعیل دہلوی نے پایا بھی تو صرف سات برس کے بچے تھے۔ جبکہ مجدد کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک صدی کے آخر تک عالم فاضل اور اشہر زمانہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم ورسولہ۔

۵ علمائے دیوبند کی وہ اصل کفریہ عبارات وعقیدہ جات ملاحظہ ہوں جن پر اعلیٰ حضرت نے کفر کا فتویٰ لگایا اور 300 علماء نے اس کی تصدیق وتوثیق کی۔

1- مولوی قاسم نانوتوی لعنۃ اللہ علیہ نے اپنا خبث باطن یوں ظاہر کیا:

i- ”اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ کوئی نبی پیدا ہوتو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔“

(تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباس 28)

ii- ”اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں کوئی اور نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔“ (تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباس 14)

iii- سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنیٰ ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔

ـ چودہ طبق میں جدید نبی کا
آنا عقیدہ دکھاتے یہ ہیں

کیونکہ

ـ دماغ میں دیوبند ہے ان کے
ختم نبوت کے انکاری یہ ہیں

2- مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے بارگاہ رسالت میں ان گستاخانہ الفاظ کے ساتھ اپنی زبان پلید کی:

لے حضور اقدس ﷺ کے نام نامی اسم گرامی کے ساتھ ”صلعم“ ” “ وغیرہ مہمل الفاظ لکھنا منع ہیں ہمیں یہ حکم ہے کہ اس موقع پر درود شریف لکھیں نہ کہ مہمل للفاظ جن کے کوئی معنی نہیں۔ اسی طرح کچھ لوگ صحابۂ کرام کے ناموں کے اوپر ” ؓ “ یا ” “ وغیرہ لکھتے ہیں یہ بھی ممنوع ہے۔ سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں: یکرہ الرمز بالصلوۃ والترضی بالکتابۃ بل یکتب کلہ بکمالہ ”درود اور ترضی لکھنے میں رمز مکروہ ہے بلکہ پورا کا پورا لکھا جائے۔“ (فتاویٰ رضویہ 3 / 81)

امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

ومن اغفل ھذا خیرًا عظیمًا وفوت فضلاً جسیمًا

”جو اس سے غافل ہوا اجر عظیم سے محروم رہا اور بڑے فضل سے۔ (فتاویٰ افریقیہ 26)

''الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے کہ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کے وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔'' (براھین قاطعہ بجواب انوار ساطعہ 51)

؎ علم شیطان کا ہوا علم نبی سے زائد
پڑھوں لاحول نہ کیوں دیکھ کے صورت تیری

3- مولوی رشید احمد گنگھوی کا کفری فتوئی یہ ہے:

سوال: ایک شخص وقوع کذب باری کا قائل ہے تو ایسا شخص مسلمان ہے یا کافر۔ اگر مسلمان ہے تو بدمذہب گمراہ یا وقوع کذب باری تعالیٰ تسلیم کرنے کے باوجود سنی ہے؟

جواب: اگرچہ اس شخص نے تاویل آیات میں خطا کی مگر تاہم اس کو کافر کہنا یا بدعتی، ضال (بدمذہب، گمراہ) کہنا نہیں چاہیے کیونکہ وقوع خلف وعید کو جماعت کثیر علمائے سلف کی قبول کرتی ہے۔ خلف وعید خاص ہے اور کذب عام ہے۔ کیونکہ کذب بولتے ہیں قول خلاف واقع کو سو وہ گاہ وعید ہوتا ہے گاہ وعدہ گاہ خبر۔ اور سب کذب کے انواع ہیں اور وجود نوع کا وجود جنس کو مستلزم ہے انسان اگر ہوگا تو حیوان بالضرور موجود ہووے گا لہٰذا وقوع کذب کے معنی درست ہو گئے اگرچہ بضمن کسی فرد کے ہو پس بناءً علیہ اس شخص کو کوئی سخت کلمہ نہ کہنا چاہیے بلکہ اس کو تضلیل و تفسیق سے مامون رکھنا چاہیے۔

(ماخوذ از فتوئی مہر دستخطی گنگوہی، ملخصاً)

1- امکان کذب (جھوٹ) بایں معنیٰ کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے، اس کے خلاف پر وہ قادر ہے مگر خود اس کو نہ کرے گا، یہ عقیدہ بندہ کا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ 10)

2- الحاصل امکان کذب سے مراد دخول کذب تحت قدرت باری تعالیٰ ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ 19)

؎ جھوٹ، ہے ان کا روٹی سالن
کاذب رب کو ٹھہراتے یہ ہیں

کیونکہ

؎ دماغ میں دیوبند تھا اور ہے
تب ہی گستاخیاں کرتے یہ ہیں

4- مولوی اشرف علی تھانوی کی بد باطنی ملاحظہ ہو:

''آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب، اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور

ہی کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید و عمرو بکر ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کیلئے بھی حاصل ہے۔" (حفظ الایمان ص8)

علم نبی کو "بچوں" "پاگل"
"جانور" جیسا بتاتے یہ ہیں

کسی نے ایسی ہی گستاخان خدا و مصطفیٰ کے بارے میں کہا ہے:

ڈھیٹ اور بے شرم دنیا بھر میں دیکھیں ہیں بہت
سب پہ سبقت لے گئی ہے بے حیائی آپ کی

قارئین کرام! علمائے دیوبند کی عبارات تو ہم نے لکھ دیں مگر مولوی اسماعیل دہلوی اور مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد باطلہ اور بکواسات و واہیات اس قدر ہیں کہ ان کو احاطۂ تحریر میں لانا طول کا باعث ہے۔ لہٰذا ان کی ہزلیات کو جاننے اور وہابیہ و دیوبندیہ کے ہتھکنڈوں سے بچنے اور ان کے دجل و فریب سے آگاہ ہونے نیز ان کی بددینی اور گمراہی پر مطلع ہونے اور اپنے عقائد دینیہ و مسائل شرعیہ سے واقف ہونے کیلئے درج ذیل کتب کا مطالعہ انتہائی ضروری ہے۔

تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ (اُردو ترجمہ شفاعت مصطفیٰ ﷺ از علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری) امتناع النظیر از علامہ فضل حق خیر آبادی۔ الدر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ از شیخ احمد بن زینی دحلان مکی۔ الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ، منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین، تمہید ایمان بآیات قرآن، فتنہ شہنشاہ، الکوکبۃ الشہابیہ فی کفریات ابی الوہابیہ، سل السیوف الہندیہ علی کفریات بابا النجدیہ، قہر الدیان علی مرتد بقادیان، ختم النبوۃ، الجزار الدیانی علی المرتد القادیانی از اعلیٰ حضرت امام محمد احمد رضا خان بریلوی۔ کتاب العقائد، اطیب البیان فی رد تقویۃ الایمان از مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی۔ دیوبندی مذہب از مولانا غلام مہر علی۔ وہابی مذہب از مولانا ابوالحامد محمد ضیاء اللہ قادری سیالکوٹی، تحقیقات از علامہ مفتی شریف الحق امجدی، مقیاس الوہابیت، مقیاس حنفیت از مولانا محمد عمر اچھروی۔ زلزلہ، تبلیغی جماعت از علامہ ارشد القادری۔ افتراق بین المسلمین کے اسباب از علامہ مبارک حسین مصباحی ایم اے۔ عقائد و نظریات از علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری۔ قہر خداوندی بردعا کہ دیوبندی، محاسبہ قادیانیت از مولانا حسن علی رضوی۔ دعوت فکر از مولانا محمد منشا تابش قصوری، اسلام اور قادیانیت از علامہ محمد شباب القادری۔ ہمفرے کے اعترافات از Mr. Humpurey,s Memoirs۔ تحفہ جعفریہ، دشمنان امیر معاویہ کا علمی محاسبہ، فقہ جعفریہ، عقائد جعفریہ از الحاج محمد علی نقشبندی۔ دیوبندی حقائق، تاریخی حقائق، عقائد علمائے دیوبند از الحاج ابوداؤد محمد صادق قادری رضوی وغیرھا کتب اہل سنت و جماعت۔

* * *

سبحان من زین الرجال باللحی وزین النساء بالذوائب

(الحدیث)

پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو داڑھیوں سے
اور عورتوں کو مینڈھیوں (زلفوں) سے زینت بخشی

◆

مومن کا زیور
داڑھی

◆

تالیف
محمد رضا الحسن قادری

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور Ph: 7352022

سیرتِ طیّبہ

حضرت فریدُالدّین مسعُود

المعرُوف

گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

علامہ شمس الدّین چشتی

ناشر
اکبر بُک سیلرز
۴۰ اُردو بازار لاہور Ph: 7352022

ہماری چند دیگر مطبوعات

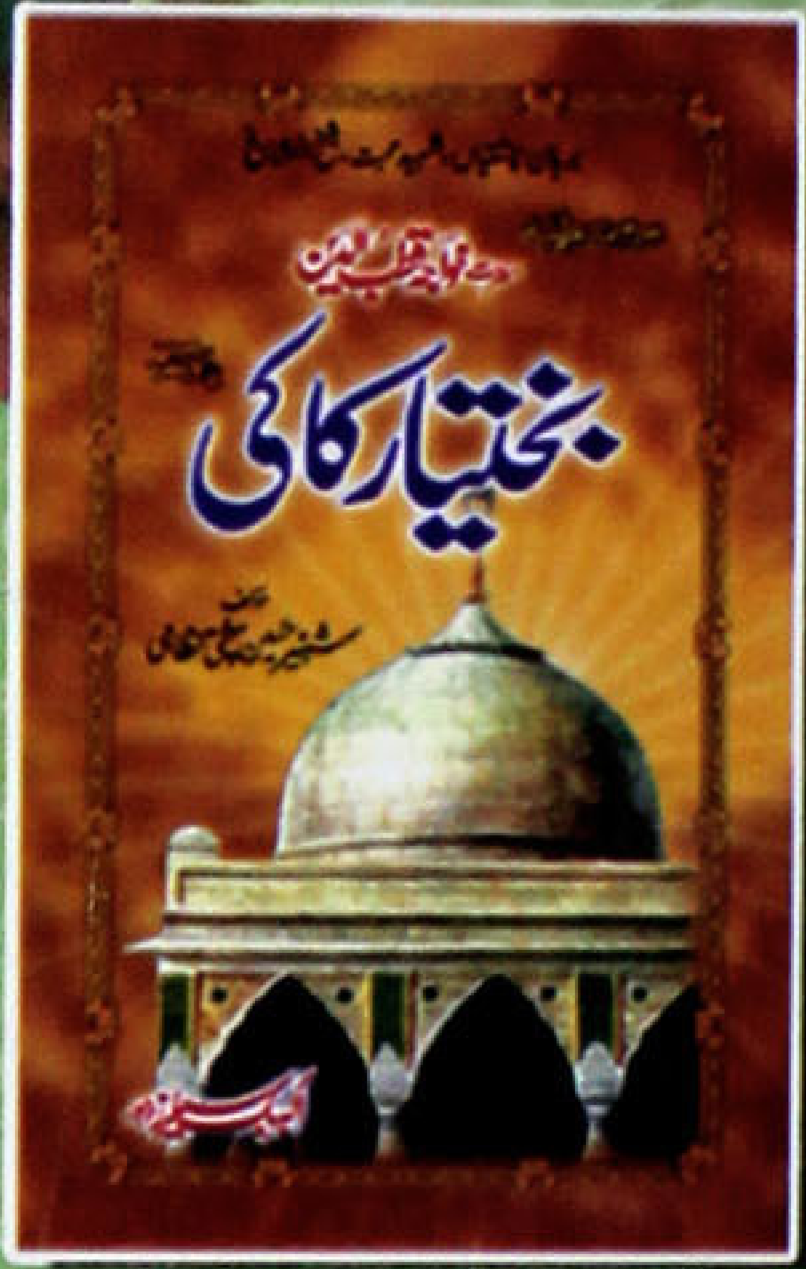
بختیار کاکی

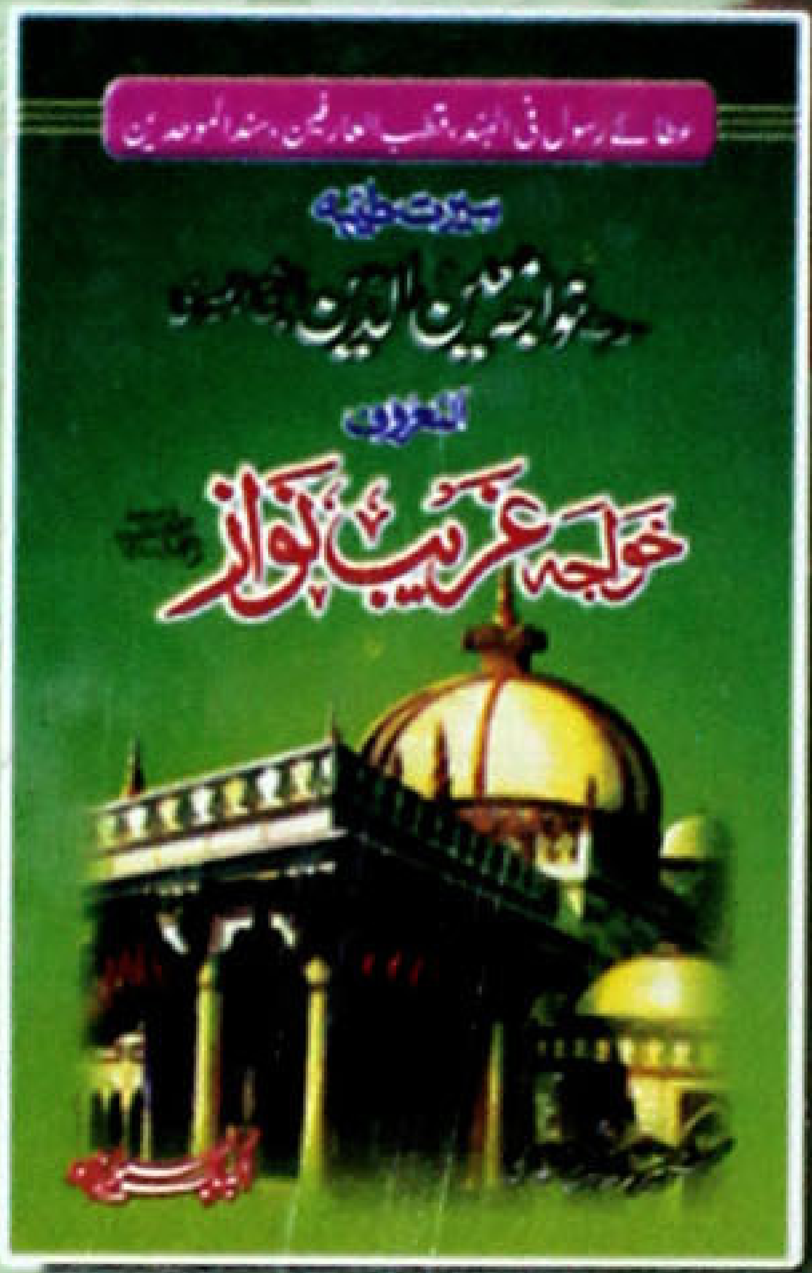
المعروف
خواجہ غریب نواز

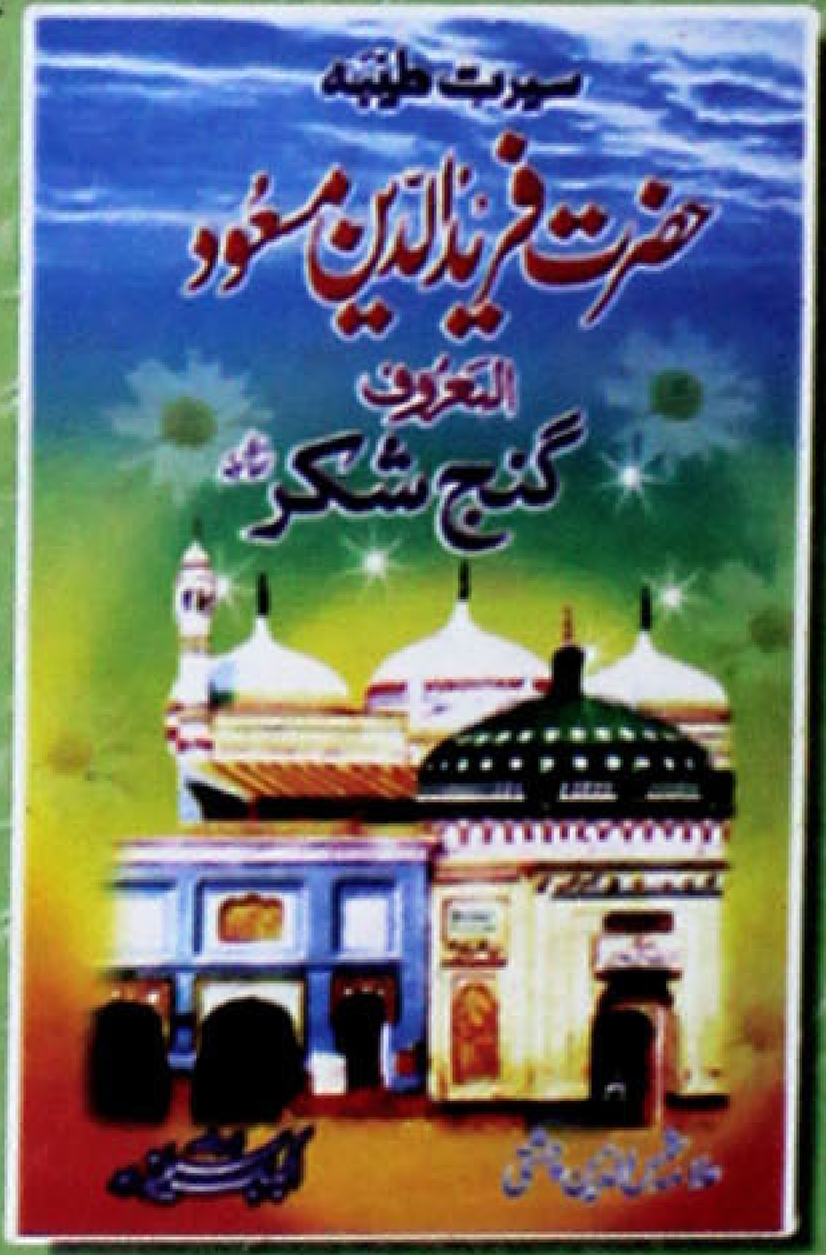
سیرت طیبہ
حضرت فریدالدین مسعود
المعروف
گنج شکر

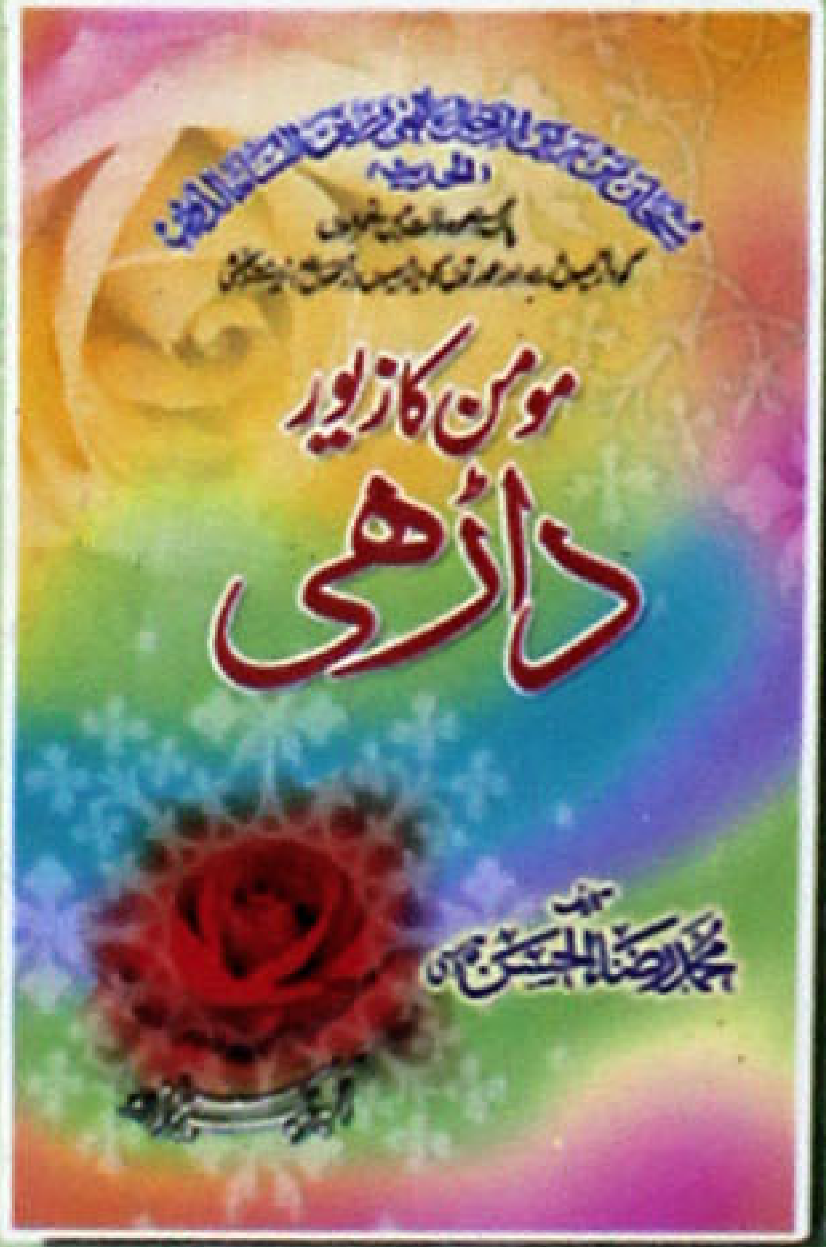
مومن کا زیور
داڑھی

Sakhawat 0300-4131996

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور Ph: 7352022